حیاتِ امیر خسرو

برصغیرِ پاک و ہند کے جامع الصفات بزرگ امیر خسرو کے حالات و سوانح
ان کے علمی، ادبی، فنی، ظاہری اور باطنی کمالات کا دِل کش مُرقع،

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز، پبلشرز
کشمیری بازار، لاہور — بندر روڈ کراچی

۱۶

برِصغیر پاک و ہند کے جامع الصفات بزرگ امیر خسرو کے حالات و سوانح
ان کے علمی، ادبی، فنی، ظاہری اور باطنی کمالات کا دِل کش مُرقّع

نقی محمد خاں خورجوی

کتاب منزل۔ کشمیری بازار۔ لاہور

حیاتِ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

مع

ایجادِ موسیقی

از

نقی محمد خان خورجوی

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز پبلشرز

لاہور — بندر روڈ کراچی

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۰۱

شیخ نیاز احمد پرنٹرز و پبلشرز نے
علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور سے
چھپوا کر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور
سے شائع کیا

ابواب

مصنف کی دیگر تصانیف

بزمِ حسیناں

زینت الحرم

اعجوبۂ اسرار

طلسمِ ہستی

انتخابِ دلپسند

بقول شخصے

مذاقِ سلیم

میلاد شریف

شیطان کی خالہ

علاج بالغذا

گل نورستہ

تاریخ قدیم خوجہ

تاریخ خاندانِ مغلیہ

عمر رفتہ

چند قیمتی رائیں

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب بابائے اُردو

اس سرزمین سے حضرت امیر خسرو جیسا صاحب ذوق، ذی کمال و جامع صفات شخص اب تک پیدا نہیں ہوا۔ وہ فارسی کے نہایت اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں۔ استادِ غزل شیخ سعدی مانے جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو ان کی ہمسری کا دعویٰ ہو سکتا ہے تو وہ حضرت امیر ہیں۔ ان کے کلام کی فصاحت روانی اور خاص کر سوز و گداز جس میں تصوف کی چاشنی بھی شامل ہے اپنا جواب نہیں رکھتی۔ یوں تو ہر اہل زبان کو اپنی زبان کا غرہ ہوتا ہے لیکن اہل ایران اس معاملہ میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔ وہ کبھی غیر ملکی کے کلام کو خاطر میں نہیں لاتے، لیکن حضرت امیر [illegible] کا لوہا ماننا پڑا۔

[illegible] تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات

کلام اور تبصرے میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ وہ فنِ موسیقی
کے بھی استادِ کامل تھے اور ضمنی یا سرسری طور پر ذکر اس کمال
کے متعلق بھی کیا ہے۔ لیکن کسی نے تفصیل سے یہ نہیں لکھا
کہ آپ نے اس فنِ لطیف میں کیا کیا اختراعات و
ایجادات کیں۔ ہندی اور ایرانی موسیقی کی ترکیب اور تدوین
میں کون کون سے نئے راگ ایجاد کیے اور کون کون سے
ساز آپ کی طبعِ ایجاد آفریں کے رہینِ منت ہیں غرض حضرت
امیر کے اس کمال کی تفصیل سے تمام تذکرے اور ان کی
سوانحِ حیات خالی ہیں، معلومات کا فقدان اور فن کی
دشواریاں ایسی ہیں کہ کسی کو اس پر قلم اٹھانے کی جرأت
نہ ہوئی۔ یہ سعادت نواب بہادر تقی محمد خان صاحب کی قسمت
میں لکھی تھی انھوں نے کمال محنت اور تحقیق سے اس دشوار
کام کو انجام دیا اور ان تمام ماخذوں سے استفادہ حاصل
کیا جن تک دسترس ممکن تھی۔ بلکہ ان تحریروں اور
تصانیف تک بھی رسائی حاصل کی جو اب تک کمیاب
تھیں اور بظاہر دسترس سے باہر خیال کی جاتی تھیں۔ یہ
فاضل مصنف نے اپنی سعی کو صرف کتابوں کے مطالعہ
تک ہی محدود نہیں کیا۔ بلکہ ماہرینِ فن [illegible] کے
ہر نکتہ کو سمجھا اور لکھا ہے [illegible]

سے اس فن میں اتنی مہارت ضرور حاصل کر لی ہوگی جو اس بڑھاپے میں ان کی تفریح طبع کے لیے اچھا خاصا لطیف شغل کا باعث بن جائے گی جو "ہم حفظ نفس ست وہم قوت روح" فاضل مصنف کی سعی طبع سے امیر کے کمال کا وہ حصّہ تو روشنی میں آگیا جو اب تک تشنۂ تکمیل تھا۔ اب صرف ایک آرزو رہ گئی ہے جس کے پورا ہونے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی وہ امیر کا ہندی کلام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے ہندی میں بھی بہت کچھ کیا ہے۔ ان کے فارسی کلام میں بہت سے ہندی الفاظ بے تکلف استعمال ہوئے ہیں اور خود اپنے دیوان "غرۃ الکمال" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جزوے چند نظم ہندی نیز نثر داستان کردہ شدہ است" لیکن افسوس اب تک ان کا ہندی کا کلام دستیاب نہیں ہوا ہے بیسیوں پہیلیاں، انمیاں، مکرنیاں ان کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی سند نہیں کہ یہ انہی کی ہیں۔ ممکن ہے۔ بلکہ اغلب ہے کہ ان میں سے بعض انھی کی ہوں۔ لیکن صدہا سال سے لوگوں کی زبان پر رہنے سے الفاظ اور زبان اور ترکیب میں بہت کچھ فرق پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان میں بعض ایسی ہیں جن کی زبان اس وقت کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ اگر ان کا کلام مل جاتا تو ہماری زبان کی کتھیاں

شاہد احمد صاحب دہلوی ایڈیٹر ساقی کراچی

خان بہادر نقی محمد خان صاحب عجب مجموعہ اضداد ہیں۔
ساری عمر پولیس میں نوکری کی اور ادبی کام بھی کرتے رہے۔
کتابیں لکھیں تو طرح طرح کی "بزمِ حسیناں" "زینت الحرم"
"تجزیۂ اسرار"۔ "طلسمِ ہستی"۔ "میلاد شریف"۔ "شیطان کی خالہ"،
"علاج بالغذا" وغیرہ نثر ہی نہیں لکھتے، شعر بھی کہتے ہیں۔
معاملہ فہم ایسے کہ جس دیسی ریاست کے معاملات الجھ جاتے
انگریز انہیں سلجھانے کے لیے بھیج دیتے۔ بڑے پکے
مسلمان ہیں۔ صوفی، پاک باطن بھی ہیں۔ ماشاء اللہ اسی سال
کی عمر ہے مگر چلتے ہیں تو سروِ رواں معلوم ہوتے ہیں۔ اس
عمر میں لوگ چڑچڑے ہو کر کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔
مگر ان کی شگفتہ مزاجی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے احباب
انہیں گھیرے رہتے ہیں۔ آنکھیں بہت کچھ جواب دے
چکی ہیں اور ہاتھ بھی لکھنے سے انکار کرنے لگا ہے مگر
ہمت جوان اور طبع رواں رکھتے ہیں۔
امیر خسرو جیسے جامع الصفات [illegible]
کاوش سے آپ نے ان کے [illegible]

اُن کا نامہ، ان کے ظاہری اور باطنی کمالات پر ۲۴۶
صفحات کی ایک لاجواب کتاب لکھی ہے۔ اسے بھی خسروی
کا روحانی فیض سمجھنا چاہیئے کہ ایک بوقلموں شخصیت نے سات
سو سال بعد ایک عظیم پہلو دار شخصیت پر نہایت عقیدت
کے ساتھ قلم اٹھایا جو ۱۱ ابواب پر مشتمل ہے۔

افسوس کہ امیر خسرو کے کمالات کو زمانے کی نظر کھا گئی۔ ننانوے سے
اوپر ان کی تصانیف تھیں۔ اب بمشکل ۲۰ بھی نہیں ہیں اور جو ہیں۔
وہ بھی نایاب۔ جس شخص نے پانچ لاکھ شعر فارسی کے کہے ہوں
اس نے اس سے زیادہ نہیں تو اتنے ہی اس زمانے کی اُردو
کے بھی کہے ہوں گے۔ مگر آج ان میں سے چند پہیلیاں اور
کچھ متفرق اشعار باقی ہیں۔ یہی حال ان کی موسیقارانہ ایجادات
اور اختراعات کا ہوا۔ خود خسرو کے ایک شعر سے معلوم
ہوتا ہے کہ انھوں نے موسیقی کے تین دفتر لکھے تھے جو تلف
ہو گئے۔

جس طرح خسرو اُردو کے باوا آدم ہیں اسی طرح کلاسکی موسیقی کے
بھی موجد اور مخترع ہیں جو آج ہند و پاکستان میں رائج ہے
اس کتاب کا یہ باب خصوصیت سے قابلِ قدر ہے کہ اس
[illegible] کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے اپنی
[illegible] سے نہایت قیمتی مواد اس

باب میں جمع کر دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ میری تلاش نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔ اب آگے اہلِ نظر توجہ فرمائیں۔ مگر اہلِ نظر نے نہ تو پہلے کبھی اس علم و فن پر توجہ فرمائی اور نہ توقع ہے کہ آیندہ کبھی زحمت فرمائیں گے۔ اور جو امیر خسرو کی ناقدری کی گردیں رُلتے رُلتے بالکل ہی محو ہو جائیں گے۔ نقی محمد خان صاحب کا احسان ہے۔ کہ انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ بھی انھیں مل سکا اُسے محفوظ کر دیا ہے۔

رسالہ "منادی" دہلی

اس کتاب کے مصنف ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ میاں نے پیدا تو علم و ادب کے لیے کیا تھا۔ لیکن زمانے کی ستم ظریفی سے ہو گئے وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ بہر حال لکھنا پڑھنا ہمیشہ ان کا تفریحی مشغلہ رہا ہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد پاکستان تشریف لے گئے اور ایسے کاموں میں مشغول ہیں۔ جن کی موجودہ زمانے میں بے حد ضرورت ہے۔ تعجب ہے کہ امیر خسرو جیسے جامع [illegible] کہ ان کا ثانی تاریخ میں نظر [illegible]

میں تصنیفات برائے نام نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر اُردو میں تو بہت کم کام ہوا ہے۔ خان بہادر صاحب نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور باوجود ضعیفی اور پیرانہ سالی بڑی محنت سے حیاتِ امیر خسرو کو مرتب کیا ہے اور ان کے کمالات موسیقی کے بارے میں تفصیلی مواد فراہم کیا ہے بلکہ چھپا ہوا خزانہ تلاش کر کے اہلِ ذوق کی نذر کر دیا ہے۔

اے۔ جی آغا صاحب سی۔ ایس۔ پی ریٹائرڈ کمشنر

حیاتِ امیر خسرو کے حالات کی فراہمی میں مصنف نے بڑی کاوش کی ہے جس نے نہ صرف مطالعہ کرنے والوں کے واسطے امیر کی اعلےٰ قابلیت کو بے نقاب کیا ہے بلکہ ان کی ایجاد کردہ موسیقی کو بھی کامل تحقیقات کے بعد شائقین موسیقی تک پہنچا دیا ہے یہ ادبی دنیا کے واسطے ایک نادر کارنامہ ہے۔ یہ کتاب ہماری لائبریریوں میں آئندہ نسلوں کے واسطے بہت کار آمد ثابت ہوگی۔ مَیں ارادہ کر رہا ہوں کہ مصنف کی اس محنت سے سندھی بھی فائدہ اٹھائیں اس لیے میں سندھی زبان میں ترجمہ کرنے کے کام کو بالآخر شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

حضرت تمکین کاظمی صاحب حیدر آباد (دکن)

بڑی بے چینی سے میں نے حیات امیر خسرو کا مطالعہ کیا مصنف نے بہت محنت کی ہے۔ خصوصاً موسیقی کا حصہ تو بس انہی کے بس کا تھا۔ آج تک کسی نے یہ ہمت نہ کی۔ آفرین باد اس محنت، جگر کاوی اور ژرف نگاہی کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ باب ہفتم میں تو غضب کیا ہے۔ دراصل یہی کتاب کی جان اور امیر خسرو کا ارمان ہے اور واقعی کمال ہے۔ جس عمدگی سے یہ باب لکھا گیا ہے مجھ جیسے ناواقف کو بھی واقفیت ہو گئی۔ میری دعا ہے کہ خان بہادر صاحب تا دیر سلامت رہیں اور ملک کی علمی ادبی اور فنی خدمت انجام دیتے رہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیے ہیں مئے گل رنگ اے ساقی پلائے گا کسے
اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے

اس کتاب کی تالیف کے واسطے نہ تو عمر ہی اس قابل تھی اور نہ بینائی۔ گویا جسم کا ہر حصّہ بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہے۔ کیوں نہ ہو اسّی سال کی عمر میں تو محض سانسوں کا شمار ہی باقی رہ جاتا ہے۔ کچھ تو حضرت امیر کا فیض روحانی۔ کچھ میری عقیدت مندی اور قومی ضرورت کا احساس تھا۔ جس نے مجھے اس کام کے واسطے آمادہ کیا۔ ضعیف کی تو رائے اور ارادہ بھی ضعیف ہوتا ہے۔ لیکن قدرت نے کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ ہر دشواری آسان ہو گئی اور شوق کی رہبری نے آخر کشاں کشاں منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ تالیف کے مقابلہ میں تصنیف زیادہ سہل ہے جس موضوع پر لکھنا چاہا۔ قلم برداشتہ اپنی معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا۔ تالیف میں اول تو حسب دلخواہ کتابوں کا ملنا ہی دشوار کام ہے اگر یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے تو [illegible] مصنفین اور مولفوں کی معلومات

سے واسطہ پڑتا ہے۔ جن کے خیالات میں ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث صریحاً اختلاف رونما ہوتا ہے اس لیے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کافی دشواری پیش آتی ہے یا بالعموم اہل قلم واقعات کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے کے واسطے کچھ ایسے انداز میں لکھ جاتے ہیں کہ ان کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے نہ اس کی صداقت کی کوئی سند ہوتی ہے۔ اگر مولف اس کی تردید کرتا ہے تو مضمون کا تسلسل اور کتاب کی لطافت زائل ہو جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی تاریخ اس الجھن سے خالی نہیں ہے میرے واسطے ایک دشواری یہ بھی تھی کہ چند مختصر کتابیں جو حیاتِ خسرو کے نام سے شائع ہوئی ہیں برّ اعظم ہند و پاکستان میں تقریباً ناپید ہیں۔ باوجود تمام امکانی کوشش کے جب میں مایوس ہو گیا تو اہل علم اور صاحبِ ذوق حضرات کی تلاش شروع کر دی اور متفرق طور پر جو کتابیں دستیاب ہوئیں ان میں بزم صوفیہ، تذکرہ اولیائے کرام، مخمخانہ جاوید، نقل مجلس مرتبہ شادی لال مطبوعہ ۱۸۸۰ء، شعر العجم اور اعجاز خسروی قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان کتابوں کی حیثیت سوانح حیات کی نہ تھی بلکہ ضمناً کچھ حالات امیر کے بھی تھے!

پر لطف کی بات تو یہ ہے کہ کتاب کی [illegible] سالہ بوڑھے کو [illegible] سالہ بد [illegible]

[illegible] کی دو ضخیم فارسی کی جلدیں ڈاکٹر عبدالحق صاحب
[illegible] ہوئے یہ کہہ کر میرے سامنے رکھدیں کہ یہ تبرک
موجود ہے۔ میں نے اسی تبرک کو غنیمت سمجھا۔ آنکھوں سے
لگایا، سر پر رکھا اور لائبریری ہی میں بیٹھ کر کام کی بسم اللہ
کی۔ پیر حسام الدین راشدی صاحب جو کراچی کے روساء میں
سے ہیں اور جن کی لائبریری میں تقریباً تیرہ ہزار کتابیں موجود
ہیں۔ ان سے اکثر کتابیں مل گئیں۔ ان کی ہمت افزائی کا
میں شکر گذار ہوں۔ منجملہ دیگر کتابوں کے حیات خسرو مولفہ
ڈاکٹر محمد سعید مارہروی مطبوعہ ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۰۲ء اور مقالہ
پروفیسر ڈاکٹر محمد وحید مرزا مطبوعہ سنہ ۱۹۴۹ء سے مجھے
کافی مدد ملی۔ کیونکہ جن کتابوں سے ان ہر دو اصحاب نے
استفادہ حاصل کیا ہے۔ ان کی تعداد کم و بیش ایک سو
ہے جو حسب ذیل ہیں۔

مناقب خسرو۔ ملفوظات خواجگان چشت۔ تذکرہ آتشکدہ
آذر۔ مرأۃ الخیال۔ خزانہ عامرہ۔ کلمات الشعراء۔
[illegible]۔ نگارستان سخن۔ جواہر فریدی۔ سبع سنابل
[illegible] سیر الاولیاء۔ مونس الارواح۔ تذکرہ
[illegible] الکاملین۔ مطلع العلوم۔ تاریخ
[illegible]۔ بہارستان جامی۔ مثنوی

قرآن السعدین۔ مطلع الانوار۔ ہشت بہشت۔ لیلیٰ مجنوں
خیالاتِ خسرو۔ رسائل اعجاز خسروی۔ مناظرِ خسرو۔
تذکرہ دولت شاہ۔ نفحات الانس۔ تاریخ جدولیہ۔
تذکرہ آبِ حیات۔ تاریخ ہند۔ تاریخ فیروز شاہی۔
بادشاہ نامہ۔ سیرت المتاخرین۔ دول رانی۔ خضر نامہ۔
خزائن الفتوح۔ تزکِ جہانگیری۔ اور مثیل بایوگرافیکل
ڈکشنری۔ آئینہ سکندری خسرو (انڈیا آفس) آئین اکبری
اخبار الاخیار (عبدالحق دہلویؒ)، المظفری۔ آتشکدہ۔
سفرنامہ ابن بطوطہ۔ انشاء امیر خسرو (انڈیا آفس) بابر نامہ
انگریزی۔ باغ و بہار میر امن۔ تاریخ علائی یا خزائن الفتوح
(برٹش میوزیم) تاریخ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی)۔
تحفۃ الصغر (انڈیا آفس) تاریخ رشیدی (مرزا حیدر)
جواہر خسروی (علیگڑھ) حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون۔
خسرو کی ہندی کوتیا (بنارس) دیوان حسن (برٹش میوزیم)
راگ درپن (فقیر اللہ) (انڈیا آفس) شیریں (انڈیا آفس)
صوت المبارک (واجد علی شاہ لکھنؤ) طبقات ناصری [illegible]
ظفر نامہ۔ دول رانی (برٹش میوزیم) فوائد الفواد [illegible]
(انڈیا آفس) کلیاتِ خاقانی (لکھنؤ [illegible]
لیلیٰ مجنوں خسرو۔ منتخب التواریخ [illegible]

ہوا تھا کہ ساری عمر میں انھوں نے گیارہ بادشاہوں کی حکومت
دیکھی اور ان میں سات بادشاہوں کی ملازمت بھی کی۔ سمجھ میں
نہیں آتا کہ ان کو سپہ گری، دربارداری، شعر گوئی، دنیاداری
اور عبادتِ الٰہی کے واسطے کہاں سے وقت مل جاتا تھا۔

اس پر بھی سب کو اتفاق ہے کہ گذشتہ چھ سات سو سال
سے کوئی امیر جیسا جامع کمالات شخص پیدا نہیں ہوا۔ یہاں
تک کہ ایران اور روم کی خاک سے بھی ہزاروں برس کی مدت
میں شاید دو چار ہی امیر کے ہم پلہ پیدا ہوئے ہوں۔

کیسی عجیب بات ہے کہ وہ استاد جس کی دامنِ تربیت
میں خسرو جیسا شخص پل کر بڑا ہوا ہو آج اس کا نام و نشان
تک کسی کو معلوم نہیں۔ شاعری اور موسیقی میں بھی امیر نے
خود لکھا ہے کہ میرا کوئی استاد نہیں۔ زبان دانی کے لحاظ
سے ترکی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت سب ہی کے
ماہر تھے۔ تقی اوحدی اپنے تذکرہ میں جو ۱۰۲۲ھ میں
ختم ہوا ہے، لکھتے ہیں کہ امیر کا ہندی کلام فارسی کلام
سے بہت زیادہ تھا جو ضائع ہوگیا اور جو زمانے کی دست
برد سے بچ گیا تھا وہ بھی اب تک پردہ ا[illegible]
موسیقی میں جو کمال حاصل کیا تھا [illegible]
سب حیرت زدہ رہ گئے

نظم و اکرم سہ دفتر در بہ تحریر آمدی
علم موسیقی سہ دیگر بود از بادر بود

گویا موسیقی کا بیش بہا ذخیرہ انہی کی زندگی میں ضائع ہو گیا تھا۔ ساتویں صدی ہجری کا بہترین نمونہ اردو کا حضرت امیر کے ہندی نظموں میں پایا جاتا ہے۔ جس سے نہ صرف اس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے میں جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زمانے سے کچھ زیادہ غیر مانوس نہ تھی۔ جن واقعات نے ہمیں ان کی تصانیف سے محروم کر دیا ہے اس کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو ان کا سمجھنا دشوار نہ ہوگا۔ علمی قدر دانی اور کتب خانوں کی حفاظت امن و امان کے زمانے میں ہوا کرتی ہے۔ امیر کا زمانہ اس کے واسطے ساز گار نہ تھا۔ یعنی خود ان کے زمانے میں اور اس کے بعد دو ڈھائی سو برس برابر ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ قتل و غارت گری کا بھی اکثر بازار گرم رہا۔ اور اس آئے دن کی مصیبت اور ... اور بعض کسی کو اس طرف متوجہ نہ ہونے ... نادر مجموعہ کتابیں ضائع ہو گئیں اس کے ... اور اورنگ زیب کے ... مگر افسوس ان کی علمی قدر دانی کی جو

سے جو کتابیں اور دفاتر جمع ہو سکے ان میں سے کچھ تو ۱۸۵۷ء کے خوفناک غدر میں تباہ ہو گئے اور جو کچھ باقی بچا وہ یا تو ہماری اپنی شامت اعمال کی وجہ سے اور کچھ اہل یورپ کی علمی قدردانی کی وجہ سے یورپ کے کتب خانوں میں پہنچ گیا

مولانا حالی نے صحیح لکھا ہے کہ وہ علمی خزانے جن کی کنجیاں فیاضِ ازل نے مسلمانوں کو بخشی تھیں آج دوسری قوموں کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک عیسائی مؤرخ ڈاکٹر لیبنیز لکھتا ہے۔ کہ "مسلمان تو بہت ہیں مگر وہ جانتے کیا ہیں۔ اگر آج عربی کا ایک عمدہ دیوان یا تاریخ کی ضرورت ہو تو یورپ سے لینی پڑے گی" ابنِ خلدون، ابو رشد۔ حاجی خلیفہ۔ ابن بطوطہ ابن الاثیر اور مقریزی وغیرہ جو اسلام میں آسمانِ علم کے آفتاب مانے جاتے ہیں اب ہندو پاکستان میں ان کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ اسی طرح نابغہ، شنفریٰ، امرالقیس، عنترہ، حاتم، بحتری کے دیوان کتنے لوگوں نے پڑھے ہیں حالانکہ یورپ میں صدہا آدمی یہ کتابیں پڑھتے ہیں۔

دور کیوں جایئے حضرت امیر خسرو کا [illegible] ملے گا۔ ان کی وہ طبع شدہ کتابیں جو نایاب [illegible] گئی ہیں۔ کتنے لوگوں نے شوق [illegible] اسی سے ہوتا ہے کہ وہ دو بارہ [illegible]

[illegible] میں شامل کیے گئے۔ اصلیت یہ

ہے کہ ہم میں [illegible] طور پر علمی اور ادبی ذوق پیدا نہیں ہوا

ورنہ وہ تنگ نظری اور تنگ خیالی کو راہ نہ دیتے اور نہ

ذہن [illegible] کو ابھار کر لسانی تعصب کی دہکتی ہوئی آگ

میں ڈال دیتے۔ اس بارے میں قوم کو غیرت دلانے کے واسطے

اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

پھر اگر ذوق عربی کیوں نہ کریں اردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں

جھگڑنے کے لیے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں

آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں بس ایک اکھاڑا قائم ہے

جب فلک کا اس سے دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

یہ [illegible] نادر الوجود مرقع خاندان چشتیہ کا مجھے بطور تحفہ

[illegible] اکبر حسین صاحب الہ آبادی نے سنہ 19[illegible]ء میں دیا

تھا جس کی پشت پر شاہی عجائب خانہ دہلی کی مہر اور منتظم

[illegible] کی تاریخ اور سنہ موجود تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

دہلی [illegible] کے بعد کسی ذریعہ سے لکھنؤ نواب اودھ

کے کتب خانہ میں پہنچا ہوگا جس کا ثبوت پشت کی تحریر سے

ملتا ہے جب وہ کتب خانہ یا عجائب خانہ بھی تباہ ہوا تو

[illegible] کسی سے خرید لیا تھا جس کو میں

[illegible] سید [illegible] کو دے دیا تھا۔

لیکن ایک ہی سال کے بعد میں نے معلوم کیا تو وہ وہاں سے
غائب تھا۔ البتہ فوٹو اس کا میرے پاس موجود ہے۔ یہی
حشر نادر الوجود قدیم کتابوں کا ہوا ہوگا۔

اس کتاب میں میں نے تاریخی واقعات اور عام حالات
کو مدِ نظر رکھ کر صرف وہی حالات اخذ کئے ہیں جو عوام
کی دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

امیر کی تصانیف کو نہ ہر شخص پڑھ سکتا ہے اور نہ اوسط
درجہ کی قابلیت رکھنے والا سمجھ سکتا ہے اور نہ کتابیں آسانی
سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس کتاب میں تمام کارآمد باتیں
موجود ہیں۔ چونکہ حضرت امیر کی ایجاد موسیقی پر تبصرہ کرنا
مقصود ہے۔ جس کو سات سو سال سے سب ہی نظر انداز
کرتے رہے ہیں اس لیے ان کے بقیہ حالات زندگی کو
ایک ضمنی کام سمجھ کر انجام دیا ہے۔

آغا شمس الدین حیدر لکھنوی سے جو موسیقی کے ماہر اور
عرصہ دراز تک میرس میوزک کالج لکھنؤ کے وائس پرنسپل
بھی رہ چکے ہیں مجھے موسیقی کے سلسلہ میں کافی
مدد ملی جن کا شکر گذار ہوں۔

شاہد احمد صاحب دہلوی کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی احسان
فراموشی ہوگی۔ کیونکہ انھوں نے مجھے نہ صرف [illegible]

[illegible] اللہ علیہ کا فوٹو عنایت فرمایا بلکہ ان کے
مشوروں سے باب ہفتم کی تکمیل میں کافی مدد ملی —
شاہد صاحب شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کے
پوتے اور رسالہ "ساقی" کے ایڈیٹر ہیں۔ علمی اور ادبی ذوق
تو ان کا خاندانی ورثہ ہے جس کو وہ سالہا سال سے انجام
دے رہے ہیں۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ وہ انڈین کلاسیکل
میوزک کے بھی ماہر ہیں اور باوجود انتہائی مصروفیت کے
اہل علم اور اہل ذوق ان کو گھیرے رہتے ہیں جس کی بڑی
وجہ ان کا ایثار، خلوص اور ہر دل عزیزی ہے۔
آخر میں میں اس کتاب کو بکمال ادب و عقیدت اپنے پیر
طریقت حضرت مولانا شاہ ابوالخیر صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے
نام نامی پر معنون کرتا ہوں آپ کی ذات بابرکات اس
آخری زمانے میں مغتنمات سے تھی اور اس سرچشمہ روحانیت
سے ہزاروں تشنہ لب سیراب اور گم کردہ راہ فیضیاب
ہوئے ہیں۔

نقی محمد خان خورجوی
۱۹۶۰ء

سلسلہ نسب پیدائش اور تعلیم

ابتدائی حالات تقریباً سب نے یکساں لکھے ہیں لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا
صاحب نے زیادہ وضاحت سے حالات خاندانی پر روشنی ڈالی ہے جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ بارہویں صدی عیسوی کا زمانہ عالم اسلامی کے واسطے بعض
لحاظ سے نہایت مبارک تھا۔ یعنی تہذیب اور تمدن کا وہ شاداب چمن جس
کو مسلمان حکمران، علماء اور فضلاء نے اپنی ان تھک کوششوں اور بے مثل
جانفشانی سے صدیوں تک سینچا تھا۔ اس زمانے میں اپنی پوری بہار پر تھا۔
ابھی وہ گلستان بلاخیز وہ تباہ کن آندھی یعنی چنگیز خانی یورش کی گرم ہوا
جس نے ان لہلہاتے ہوئے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ چلنا شروع نہ ہوئی
تھی یعنی اسلامی سلطنت کا پرانا مضبوط شیرازہ البتہ بکھر چکا تھا۔ اور یہ
[illegible] جس کی مثال آسمان نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ الگ الگ
[illegible] خلیفہ سرکش اور زبردست امراء کے
[illegible] تھے اور دارالاسلام کی چہاردیواری کے اندر
[illegible] نام تھا۔ البتہ خلیفہ

کی مذہبی قیادت زیادہ تر مسلمان ملکوں میں تعلیم کی بحالی تھی۔ اور ان ملکوں کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مشرقی ممالک کے شہر خصوصاً سامانی اور غزنوی حکمرانوں کی علم پروری اور ہنر پروری کی وجہ سے نہ صرف تجارت اور دولت کا گہوارہ تھے بلکہ علم و فن کے بھی بڑے مرکز بن گئے تھے۔

قزوین، بلخ، بخارا، شیراز، اصفہان غرضیکہ بیسیوں ایسے شہر تھے۔ جو شان و شوکت میں بغداد سے ہمسری اور دمشق سے رو کشی کا دعویٰ رکھتے تھے۔ جن کی بڑھتی ہوئی آبادی ان کی چار دیواری میں نہ سماتی تھی۔ جہاں دور دور سے سیاح اور طالب علم کھنچے چلے آتے تھے اور جہاں کی زمین حقیقت میں سونا اگلتی تھی۔ یہ تو سب کچھ تھا۔ لیکن سلطنت کے مختلف بادشاہوں میں تقسیم ہو جانا قدرتی طور پر آپس کی رقابت کو فروغ دیتا تھا اور اگر یہ رقابت محض علمی اور ادبی میدانوں تک ہی محدود رہتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا شوق اکثر ان حکمرانوں کو میدانِ جنگ میں بھی لا کھڑا کرتا تھا۔ اس لیے اگر ایک طرف بے دریغ روپیہ خرچ کر کے اپنے دربار میں عالموں، ادیبوں اور شاعروں کو جمع کرنے کا شوق تھا تو دوسری طرف اپنے حریفوں کے مقابلہ میں اپنے ملک کی حفاظت کے لیے فوجی انتظامات اور جنگی سامان ہمیشہ تیار رکھنے کا فکر دامن گیر رہتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان [illegible] اور فوجی نظام قائم ہو گیا تھا جو یورپ کے قرون وسطیٰ [illegible]

[illegible] فرض تھا کہ وہ لڑائی کے موقع پر اپنے
[illegible] تعداد سپاہیوں کی فراہم کرے اور ان کے
[illegible] کی تکمیل ہو۔

یہ وہ زمانہ نہ تھا جب عوام بلا فوج میں بھرتی ہوئے لڑائی پر
آمادہ ہو جاتے تھے یا حسب ضرورت کچھ لڑائی کے موقعہ پر بھرتی کر لیے جاتے
بعض علاقوں اور قوموں کے لوگ خاص طور پر فوجی ملازمت کے لیے پسند
کیے جاتے تھے اور ان قوموں میں ترکوں کو بنی عباس کے ابتدائی دور سے
اپنی دلیری اور شجاعت کی بناء پر خاص امتیاز حاصل ہو چکا تھا اس لیے
[illegible] خلفاء کو جب سرکش عربوں اور ایرانیوں کو دبانے کی ضرورت ہوئی
ان کی نظر انہی جفاکش اور جنگ جو لوگوں پر پڑی اور یہ واقعہ بھی
ہے کہ ترکوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی سپہ گری کی دھاک تمام عالم
اسلامی پر بٹھا دی اور آگے چل کر عربوں کی بجائے اسلام کے سب
سے بڑے حامی اور مددگار بن گئے۔

ترکوں کی آبادی وسط ایشیا میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔
[illegible] کے زمانے میں سیدھے سادے دیانت دار کسانوں کی زندگی
بسر کرتے تھے۔ لیکن جنگ کے وقت جوق در جوق فوجوں میں
داخل ہو جایا کرتے تھے۔

[illegible] ترک خصوصاً اپنی بہادری کے لیے مشہور تھے چنانچہ
[illegible] کہا جاتا ہے کہ اسلامی فوجوں میں ان ترکوں کی طرح

[illegible] خسرو کا یہ شعر قابل ملاحظہ ہے ؎

گر ز دشمن شود ہزار سوار
چشم تو میر آن ہزار بود

معلوم ہوتا ہے کہ جو ایک ہزار سپاہیوں کا دستہ یا ہزارہ جس علاقہ میں بسایا جاتا تھا اسی علاقے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یا بعض صورتوں میں ان کے قبیلے کے سردار یا مورث اعلیٰ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور عرصہ گزر جانے کے بعد جب وہ فوجی نظام درہم برہم ہو چکا تھا اور یہ ضروری نہ رہا تھا کہ کوئی خاص قبیلہ کسی امیر کے ماتحت ہو۔ تب بھی قبیلہ کا قدیم نام ہزارہ صادق رہا۔ یہی نہیں بلکہ جہاں کہیں کوئی ہزارہ جاکر آباد ہو گیا وہ علاقہ بھی ہزارہ کہلانے لگا۔ چنانچہ ہندوستان کے شمالی مغربی حصہ میں جو علاقہ ہزارہ کے نام سے موسوم ہے اس کی وجہ تسمیہ بھی غالباً یہی [illegible] نہیں بلکہ غالباً اس زمانے میں جبکہ چنگیز خان نے بہادر رنگر جلال الدین خوارزمی کے تعاقب میں ہندوستان کا رخ کیا تھا۔ کچھ [illegible] یہاں آن کر آباد ہو گئے تھے۔ انہی جنگجو ہزارہ ترکوں میں [illegible] کے والد امیر سیف الدین محمود بھی تھے اور امیر خسرو [illegible] یہی لوگ تھے جن کے قبیلے کا نام ہزارہ [illegible] کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ خود امیر خسرو نے اپنے [illegible]

[illegible]

[illegible] یعنی بادشاہ شاہین کے بھی ہیں۔

اور غلام کے بھی خسرو کے اپنے ایک بیت کی بنا پر دوسرا مفہوم زیادہ
قرین قیاس معلوم ہوتا ہے

خود کہ در عہد تو سلطان سخن
خسروئے لاچین سلطانی شد است

گویا لفظ لاچین اور سلطان سے صفت تضاد پیدا کی ہے۔ بہرحال اس لفظ کا مفہوم اتنا اہم نہیں ہے کہ جتنا یہ معلوم کرنا کہ در اصل لاچین کس کا نام تھا بہرحال علاقہ یا مقام کا نام تو یہ ہو نہیں سکتا، ظاہر ہے کہ کسی آدمی ہی کا نام ہوگا۔ زیادہ تر تذکرہ نویس اس بارے میں خاموش ہیں۔ البتہ ایک آدھ نے لکھا ہے کہ لاچین امیر خسرو کے والد کا نام تھا۔ یہ روایت اس وجہ سے قابل قبول نہیں معلوم ہوتی کہ امیر خسرو نے اپنے والد کا نام ہمیشہ سیف الدین یا محض سیفی لکھا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ امیر سیف الدین اپنے قبیلے کے سردار تھے، لیکن اس کی بھی کوئی سند نہیں ہے کہ قبیلہ کا نام ہزارہ لاچین انہی کے نام پر تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ لاچین ان کے کسی خاندانی بزرگ کا نام ہو اور وہ اپنے کسی قبیلہ کے سردار رہے ہوں۔ اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ اس قبیلے ہزارہ لاچین کا ابتدائی مقام کہاں تھا اور کس [illegible] میں ہندوستان میں آکر آباد ہوا۔

دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ [illegible]
ان کا اصلی وطن شہر کش تھا جو اب [illegible]

[illegible] معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہزارہ لاچین سے تھے۔
[illegible] کے [illegible] میں آباد تھا۔ اور ہنگامہ چنگیز کے زمانے میں
ترک ماوراء النہر سے ترک وطن کر کے ہندوستان میں آن کر آباد ہو گئے تھے
برخلاف اس کے اکثر سوانح نگار جن میں سے بعض کا بیان عام طور پر
دولت شاہ کے بیان سے زیادہ معتبر سمجھا جا سکتا ہے مثلاً جامیؒ مرزا
حسینؒ بایقرا یہ کہتے ہیں کہ چنگیز خان کے زمانے میں یہ لوگ بلخ اور
اس کے نواح میں آباد تھے اور وہاں سے ہندوستان آ گئے تھے - ان
روایتوں میں دولت شاہ کا بیان زیادہ قرین قیاس ہے اور وہ اس وجہ
سے کہ امیر نے اپنے کلام میں اکثر مقامات پر ان باشندوں کا جن کو وہ
بالاتفاق کہتے ہیں نیز بلخ اور بخارا کے شہروں کا اور باشندوں کا حقارت
اور تضحیک آمیز طریقے پر ذکر کیا ہے، قطع نظر اس کے مقام کش مایمرغ
اور قرشی جن کا ذکر دولت شاہ نے کیا ہے۔ ماوراء النہر کے صوبے میں
[illegible] اور اس علاقہ کے ترک خاص طور پر جنگجو مشہور تھے اور یہ وہی صفات
[illegible] ہزارہ لاچین کے باشندوں میں پائے جاتے ہیں اور جن کا ثبوت
امیر کے والد سیف الدین محمود نے ہندوستان میں اپنے جوہر شجاعت
[illegible]۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہزارہ لاچین کا اصلی وطن کش مایمرغ
اور قرشی [illegible] مقامات کو مان لیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان
[illegible] میں یہ قبیلہ بلخ کے گرد و نواح میں آن

کش، ماوراء النہر کا قدیم مشہور شہر ہے [illegible] عرب جغرافیہ نویسوں
نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ شہر ایک چھوٹی سی ندی کشکا رود کے کنارے
پر واقع ہے۔ یہ ندی اور اس کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی ندیاں مثلاً جزار و مسود و
چاہی رود اور خضر رود بھی اس کے قریب ہی بہتی ہیں۔ ابن حوقل کے زمانے میں
یہاں ایک قلعہ اور مضبوط چار دیواری بھی تھی۔ کئی ندیوں کی قربت کی وجہ سے
کش کے گرد و نواح کا علاقہ کافی زرخیز تھا۔

امیر تیمور کے زمانے میں اس شہر کو زیادہ شہرت حاصل تھی اس لیے
کہ امیر تیمور یہیں پیدا ہوا تھا۔ اس وجہ سے اس نے اس شہر کو از سر نو تعمیر
کرا کر وہاں ایک شاندار محل بنوایا تھا۔ جس کا نام اس نے آق سرای
(سفید محل) رکھا تھا مگر عام طور پر شہر سبز مشہور تھا اور دولت خانہ بھی
نام تبدیل کر کے قبۃ الخضرا رکھ دیا تھا۔ بابر نے بھی کش کے نواح میں ایک
مقام کا نام تھا۔ لیکن قرشی جسے عرب اکثر نخشب کہتے ہیں [illegible] جانب
جنوب واقع ہے۔ چنگیز خان کے بعد ایک مغل شاہزادے نے یہاں
ایک محل تعمیر کرایا تھا اور اسی مناسبت سے اس شہر کا نام قرشی مشہور ہو گیا۔

ہزارہ لاچین کے ہندوستان میں آنے کا زمانہ [illegible]
ہے۔ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ یہ قبیلہ چنگیز خان کے زمانے [illegible]
صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تھا۔ ہندوستان میں [illegible]
ایبک کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی جگہ [illegible]
دہلی کے تخت پر متمکن تھا۔ اس قابل بادشاہ نے تخت [illegible]

... کا اقتدار بحال ہندوستان میں قائم کر لیا تھا اور اپنے حریفوں کو
... زیادہ زبردست تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ حاکم
... کو زیر کرنے کے بعد بنگال کے خلجیوں کو بھی وہاں کی حکومت
سے نکال دیا تھا۔ ان لڑائیوں اور ہنگاموں کے واسطے ایسے بہادروں کی
ضرورت تھی۔ اس لئے امیر سیف الدین محمود نے بھی مع اپنے ساتھیوں کے
اس بادشاہ کی حکومت اختیار کر لی۔ اور دہلی سے قریب تقریباً سو میل مقام
پٹیالی ضلع ایٹہ جسے مومن پور یا مومن بھی کہتے ہیں اور جو دریائے گنگا
کے کنارے پر آباد ہے مقیم ہو گئے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ پٹیالی امیر سیف الدین کو کسی معرکہ کے سر کرنے
کے صلہ میں ملا ہو۔ لیکن اس بارے میں مورخ یا سوانح نگار نے کچھ نہیں لکھا
البتہ شبلی نے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ ان کو بارہ سو تنکے (سکہ) سالانہ وظیفہ
ملتا تھا۔ خسرو کے اپنے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر سیف الدین التمش
کے ... کی حیثیت رکھتے تھے اور بادشاہ کو انھوں نے ہندوستان
... حکومت کے استحکام میں مدد بھی دی تھی۔ چنانچہ ایک مقام پر
... کہتے ہیں:

جہاں قوت او بگرفت التمش
... خدائیش زر قبضہ قدرت

... تصنیف شمسی یا سلطانی شمسی کے نام سے موسوم
... تصنیف تھی جو کہ وہ التمش کے خاص امراء

میں سے تھے۔ بہرحال امیر کی پٹیالی کی پیدائش کے بارے میں سب
اتفاق ہے۔ تاریخ فرشتہ اور دولت شاہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے
کہ امیر خسرو کے والد بلخ کے امراء میں سے تھے اور چنگیز خانی فتنہ کے
بعد ہجرت کر کے ہندوستان چلے آئے تھے اور سلطان محمد تغلق کے دربار
میں ایک ممتاز عہدہ پر مامور تھے۔ سیف الدین بڑے جری اور فنِ سپہ گری
سے بخوبی واقف تھے۔ بالآخر ایک مہم میں جبکہ وہ کفار سے لڑ رہے تھے
شہید ہو گئے۔

سیف الدین کے تین بیٹے تھے۔ اعزاز الدین علی شاہ، حسام الدین
اور امیر خسرو۔ آپ کی عمر والد کے انتقال کے وقت سات آٹھ سال کی تھی۔
آپ کی والدہ عماد الملک کی بیٹی تھیں جو امراء شاہی میں سے مشہور و معروف
شخص تھے۔ اور دس ہزار فوج کے افسر بھی تھے۔

ایک روایت کے مطابق امیر کی والدہ نے آپ کا نام ابوالحسن رکھا
تھا۔ سال پیدائش میں اختلافات ہیں۔ بعض مورخوں نے [illegible]
۲۵۳ء تحریر کیا ہے۔ قران السعدین میں جو کہ [illegible]
ہے۔ خود امیر نے اپنی عمر چھتیس سال تحریر کی ہے۔ جس کے حساب سے
پیدائش ۶۵۰ھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ امیر لکھتے ہیں:-

آنچہ بہ تاریخ ز ہجرت گذشت — [illegible]
حال من امروز اگر بر رسی — [illegible]

جب امیر پیدا ہوئے تو والدان [illegible]

پیدا ہوئے تھے۔ مجذوب نے دور ہی سے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ "یہ وہ
بچہ ہے جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے جائے گا۔" افسوس ہے کہ
مجذوب کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ جب آپ بڑے ہوئے تو والد نے کم عمری
ہی میں سپہ گری کی ابتدائی تعلیم دینا شروع کر دی اور مکتب میں داخل کرا دیا۔
خوش نویسی مولانا اسد الدین نے جو اس زمانے کے مشہور عالم اور
خوش نویس تھے سکھلائی تھی۔ چونکہ امیر بے حد ذہین اور جدت پسند واقع
ہوئے تھے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہو گیا تھا اس وجہ سے
وصلیوں پر اسی کی مشق کیا کرتے تھے۔

خواجہ اصیل جو اس زمانے کے کوتوال تھے، بڑے علم دوست،
فیض اور غربا پروری میں مشہور تھے۔ امیر خسرو اپنی ذہانت کے باعث
ان کے نائب ہو گئے جس کی ابتدا اس صورت سے ہوئی کہ ایک روز خواجہ
اصیل نے جب اسد الدین کو بلایا تو امیر خسرو بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔
کوتوال کے مکان پہ اتفاق سے خواجہ عزالدین بھی تشریف رکھتے تھے۔
اسد الدین نے خواجہ عزالدین سے کہا کہ یہ لڑکا ابھی غون غان کرتا ہے۔
معلوم نہیں کہ اس کے اشعار میں بھی کچھ موزونیت ہے یا نہیں۔ آپ بھی
اس کے کلام کو سنئے۔

اتفاق سے خواجہ عزالدین کے ہاتھ میں اس وقت اپنے اشعار
... امیر خسرو کو دیکھ کر کہا کہ صاحبزادے اس میں سے کوئی شعر
... کم عمری کا زمانہ تھا۔ امیر نے اس بیاض میں سے اشعار

نہایت خوش الحانی سے پڑھے۔ چونکہ آواز میں قدرتی اثر اور درد تھا خواجہ
پر اس کا کافی اثر ہوا۔ آنکھیں بھر آئیں اور بے حد تعریف کی۔ ان کے آ
اسد الدین نے کہا کہ اب شعر گوئی میں اس کا امتحان لیجئے۔ خواجہ عزالدین نے
چار بے جوڑ چیزوں کے نام لے کر کہا کہ ان کو ملا کر شعر کہو یعنی مُو۔ بیضہ۔ تیر
خربوزہ۔ امیر نے برجستہ یہ اشعار پڑھے ؎

ہر مُوئے کہ در دو زلفِ آن صنم است
صد بیضۂ عنبریں برآں موئے صنم است
چوں تیر مداں راست دلش را زیرا
چوں خربوزہ دندانش میاں شکم است

خواجہ عزالدین کو اس ذہانت پر سخت حیرت ہوئی۔ پوچھا۔ نام کیا ہے؟ امیر
نے جواب دیا کہ خسرو۔ باپ کا نام پوچھا تو امیر نے ازراہ ظرافت (بجائے
سیف الدین کے) لاچین بتلایا اور کہا کہ ترک گفتن خطا است۔ یعنی ان کو ترک
کہنا غلطی ہے۔ خواجہ عزالدین نے خطا کے لفظ کو پھر الٹ کر کہا کہ "بے خطا
ترک است" یعنی یقیناً وہ ترک ہی تھے۔ خواجہ عزالدین بہت خوش ہوئے
اور کہا کہ چونکہ تم کو دربار سلطانی سے بھی تعلق ہے اس لیے تمہارا تخلص سلطانی
ہونا چاہئے۔ چنانچہ اکثر غزلوں میں امیر نے یہی تخلص کیا ہے۔

خسرو کے اپنے بیان سے ظاہر ہے کہ ان کا میلان طبع بچپن ہی سے
شاعری کی طرف تھا۔ ایک جگہ تحفتہ الصغر کے دیباچہ میں [illegible]
والد مجھے مکتب بھیجا کرتے تھے۔ لیکن میں ردیف [illegible]

...الدین محمد عطا جو عام طور پر قاضی کے لقب سے مشہور تھے مجھے
... میں سکھانے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اُستاد کی پوری کوشش کے
... چہرۂ یار کی طرح دراز اور مسلسل بحث میں زلف اور خط و خال کی مشق کیا
کیا تھا۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جس کا دماغ گرد و پیش کی چیزوں سے
بے نیاز ہو کر اس حسنِ ازلی کو نامعلوم فضاؤں میں تلاش کرتا رہتا ہو، جس کا عکس
دنیا کی ہر خوبصورت چیز میں موجود ہے اسے ترنج گنج یا ہدایہ کے درسوں
میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ الغرض خسرو نے جو کچھ بھی علمی استعداد حاصل
کی۔ اس کے قابلِ قدر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن نہ تو وہ خشک کتابوں
کے مضامین کی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی سے حاصل ہوئی نہ اُستادوں کی
مدد سے بلکہ زیادہ تر ان کی اپنی ذہانت، اربابِ علم کی صحبت اور موزونیٔ
طبع ہی کا نتیجہ تھا اور وہ اس درجہ کی تھی کہ جس نے انھیں اپنے زمانے کے
علوم و فنون میں جن کا جاننا ضروری تھا ماہر اور بے مثل بنا دیا تھا۔
مشہور بھی یہی ہے۔ اور اکثر تذکرہ نویسوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ
شعر میں امیر کا کوئی استاد نہ تھا۔ بلکہ انھوں نے شعرائے متقدمین کے
... سے فنِ شاعری میں کمال حاصل کیا تھا۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں ایسا
ہو کیونکہ ان کی جدت پسند اور سیماب صفت طبیعت لڑکپن میں استادوں
کی اصلاح پسند نہ کرتی ہو۔ لیکن چونکہ یہ اصولاً غلط تھا۔ اس
... اہلِ فن استاد کے روبرو زانوئے ادب خم کیا ہوگا۔

... اپنے زمانے کے شعرا میں مولانا شہاب الدین

کو نمایاں حیثیت حاصل ہے ۔ اگر یہ وہی بزرگ ہیں جو شہاب الدین صدر نشین کے نام سے موسوم تھے ۔ جن کا ذکر برنی اور فرشتہ نے بھی کیا ہے ۔ تو ان کا انتقال تقریباً امیر کی پیدائش سے انیس سال قبل ہو چکا تھا ۔ اس لیے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ امیر کے ہمعصر شہاب الدین شہاب مہمرہ ساکن بدایوں تھے ۔ (مہمرہ خوزستان کا شہر ہے ۔ جہاں سے وہ ہجرت کر کے آئے تھے) اور امیر کو شاعری میں انہی کی شاگردی کا فخر حاصل تھا ۔ شہاب کی عربی دانی اور علمی قابلیت کا خسرو کو بھی اعتراف ہے اور "ہشت بہشت" میں ان سے اصلاح لینے کا بھی ذکر کیا ہے ۔ شہاب کا نمونہ کلام ملّا مورخ بدایونی نے بھی دیا ہے ۔ رہا معاملہ شاعری کی عظمت کا کہ شاگرد کا کلام استاد سے بلند ہے اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے ۔ بچپن ہی میں ذہانت کا یہ عالم تھا کہ والد کے انتقال پر آپ نے جو شعر کہا تھا وہ یہ ہے ؎

سیف از سرم برفت و دلم بس دو نیم ماند
دریائے من رواں شد و درم یتیم ماند

اس کم عمری میں والد کے انتقال کے بعد آپ کے نانا عماد الملک نے آپ کی پرورش کی تھی ۔ جن کے بارے میں امیر خسرو لکھتے ہیں کہ وہ شاہی تخت کے چار ارکان میں سے ایک تھے ۔ اور اگرچہ کوئی نشان بادشاہت نہ رکھتے تھے لیکن اپنے اثر اور رسوخ کی وجہ سے بادشاہوں کو تخت پر بٹھایا کرتے تھے ۔ انھوں نے اپنی داد و دہش کی وجہ سے تمام ہندوستان کو مٹھی میں کر لیا تھا ۔ عماد الملک سانولے رنگ کے تھے اور پان کا شوق زیادہ تھا ۔

۔۔۔ کہ جب غیروں کے ساتھ وہ مسلوک ہوتے تھے تو انھوں نے امیر کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ہوگا ۔ یہی وجہ تھی کہ جوان ہونے سے پہلے امیر رائج الوقت علوم اور فنون سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے ۔

امیر کا مذہب سنّت والجماعت تھا ۔ اعتقاد کے لحاظ سے حنفی طریق اور دل نورانی تھا ۔

امیر باوجود کافی عمر ہو جانے کے اپنی ماں سے ایسی محبت کرتے تھے کہ بچوں کی طرح ماں سے چمٹ کر ملتے تھے ۔ اور کہا کرتے تھے کہ ماں کا سینہ بہشت ہے ۔ جس میں دو نہریں دودھ کی بہتی ہیں اور باوجود اڑتالیس سال عمر ہونے کے ماں کو اس طرح یاد کرتے تھے ۔ جیسے کوئی دودھ پیتا بچہّ اس کے لیے بلکتا ہے ۔

باب ۲

شہرت عروج اور اعزازِ شاہی

امیر پندرہ بیس برس کی عمر میں جب فارغ التحصیل ہو چکے تھے وہ زمانہ سلطان شاہ بلبن کا تھا اور آخر عمر تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ امیر نے دیکھا تھا۔

امیر کے عروج اور شہرت کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں امیر کشلو خاں بہت بڑے مرتبہ کا سردار تھا۔ اس کی فیاضی اور علم دوستی کا شہرہ دور دور تک ہو چکا تھا۔ اس کے دسترخوان پر ہمیشہ سینکڑوں آدمی کھانا کھاتے تھے۔ داد و دہش میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھا علاوہ خیرات وغیرہ کے سال میں کئی سو غریبوں کی لڑکیوں کو بہترین جہیز بھی تقسیم کیا کرتا تھا۔ امیر خسرو کی شہرت نو عمری ہی میں ہو چکی تھی۔ کشلو خاں کے دربار میں ان کی رسائی ہو گئی اور دو سال کی ملازمت میں امیر کی وہاں کافی قدر ہوئی امیر نے بھی کشلو خاں کی ادبیت پر حرف نہ آنے دیا۔ مورخوں کا خیال ہے کہ معز الدین کیقباد نے اس سے بھی زیادہ امیر کی قدر افزائی کی تھی۔

ایک روز اتفاق سے بغرا خاں سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے

[illegible] تھا۔ اور شعر شاعری کے چرچے ہو رہے تھے۔ شمس الدین دبیر اور
حسن [illegible] جو اس زمانے کے مشہور و معروف شعراء میں سے تھے وہ بھی
اس صحبت میں شریک تھے۔ امیر خسرو نے اپنی زمزمہ سنجی کا کچھ ایسا سماں
پیدا کیا کہ بغرا خان نہایت متاثر ہوا اور صلہ کے طور پر لگن بھر کر روپے
دیے۔ کشلو خان جن کے امیر ملازم تھے نہایت خود دار واقع ہوا تھا۔ اس کو
یہ بات ناگوار گذری کہ امیر نے دوسروں کی دی ہوئی چیز کو کیوں قبول کر لیا اور
اس کا وابستہ دوسرے دربار کا احسان مند ہوا۔ یہ ناخوشی اس کی برابر قائم
رہی۔ امیر نے اس کی تلافی بھی مختلف ترکیبوں سے کرنی چاہی۔ لیکن اس کا
دل صاف نہ ہوا۔

جب امیر مجبور ہو گئے تو کشلو خان کی ملازمت چھوڑ کر بغرا خاں کے
پاس چلے گئے۔ جو اس وقت سامانے کا حاکم تھا۔ اس نے نہایت قدر و منزلت
کے بعد اپنا ندیم خاص بنا لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بغرا خان کو سنہ ۶۷۸ھ میں
بنگال کی مہم میں کامیابی ہوئی تھی۔ اور جس کے صلہ میں اس کو سلطان غیاث الدین
نے بنگالے کا حاکم مقرر کیا تھا۔

امیر کی شاعری کا شہرہ ہو چکا تھا۔ شہزادہ ملک محمد خان نے امیر
کو اپنے شعرائے خاص میں شامل کر لیا اور جب وہ ملتان کا حاکم مقرر ہو کر
گیا تو امیر اور حسن دہلوی کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ چنانچہ پانچ سال تک
[illegible] ادبی [illegible]

[illegible] سندھ کا پایۂ تخت رہ چکا تھا اور چنگیز خان

کے بعد مغل برابر ہندوستان پر حملے کرتے رہتے تھے۔ اس لیے ملتان میں
ایک بڑا دستہ فوج کا سرحدی حفاظت کے واسطے رہا کرتا تھا۔ اس کے
علاوہ ایران اور ترکستان سے جو تجارتی مال آتا جاتا تھا اس کی بھی حفاظت ہوتی
تھی اور سوداگر ملتان کی حکومت سے مدد حاصل کرتے تھے۔

شہزادہ محمد کی قدر دانی کا شہرہ سن کر ادیب اور شاعر دُور دُور
سے جمع ہو گئے تھے۔ ملتان کی شہرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جس طرح پر
دہلی میں شاہ نظام الدین اولیا کا چشمۂ فیض جاری تھا۔ اسی طرح ملتان میں
بھی خواجہ صدر الدین جو خواجہ بہاء الدین ذکریا کے بیٹے تھے۔ روحانی ہدایت
کی شمع روشن کیے ہوئے تھے۔

ان حالات سے ظاہر ہے کہ ملتان میں خسرو کے واسطے دلچسپی کی کوئی کمی
نہ تھی۔ نیز ان کو اپنا کمال دکھلانے کے واسطے اس سے بہتر اور کیا موقع ہو
سکتا تھا۔ لیکن خسرو جذباتی طبیعت رکھتے تھے۔ اور انھیں دلی کی یاد رہ رہ کر
ستاتی تھی۔ شہزادے نے ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شیخ سعدی شیرازی
نے بھی خسرو کے کلام سے متاثر ہو کر شہزادے کو لکھا تھا کہ خسرو کی سرپرستی میں کوئی
کمی نہ کی جائے۔ لیکن قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔

مغلوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے اکثر انتظام کی غرض سے سلطان
محمد کے ساتھ دشوار گذار مقامات پر امیر کو جانا پڑتا تھا چنانچہ ایسے سفر کے
سلسلہ میں خسرو لکھتے ہیں "دہلی میرے واسطے بہشت بریں ہے جس کی عمارتیں
آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ ہر وقت بازاروں میں چہل پہل رہتی ہے [illegible]

[illegible] پانی جنگل کو شاداب اور سیراب کرتا ہے۔ وہاں کے باغوں
میں جنت کے پھلوں کی مانند شیریں اور مفرح ہوتے ہیں۔ جہاں محبوب کی
بہت [illegible] ہے۔ اب مجھے اس خارستان میں لاکر مقیدّ کر دیا گیا ہے، قلعہ
گیا ہے ایک دہکتا ہوا تنور ہے۔ جہاں ویرانہ ہے اور گویہ انسانوں کی بستی ہے
لیکن وہ انسان بھی ایسے ہیں جن سے دیو بھی پناہ مانگتے ہیں۔ سر ان کے معلوم
ہوتا ہے جیسے بھرے ہوئے بورے ہیں اور داڑھیوں کی یہ کیفیت ہے کہ جولاہوں
کے برش معلوم ہوتی ہیں۔ ٹانگیں لم ڈھینک کی سی مگر خود عقاب اور تند خو ہیں۔
سر اس طرح پر نیچے کو جھکے ہوئے ہیں جیسے دیوانے چلتے ہیں۔ ان کی آوازیں کتّے
کی بولی کی طرح کرخت اور ان کے منہ اس طرح کھلے ہوئے ہیں جیسے مینا ما زبانیں
ایسی کند جیسے خانہ ساز تبر۔ الفاظ ایسے کرخت جیسے منجنیق سے پتھر نکل رہے ہوں۔
کسی دانا کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جب آسمان سے گویائی زمین پر
اتری تو ان انسانوں کو سب سے کم اور سب سے آخری حصہ ملا تھا۔" باوجود
[illegible] کے امیر نے جو وہاں پانچ سال کا زمانہ گذارا وہ بعض لحاظ
سے اچھا بھی تھا۔ کیونکہ شاہزادہ محمد نے بہت سے ادیبوں کو دور دُور
سے بلا کر جمع کر دیا تھا۔ شیخ سعدی کو بھی شیراز سے بلانے کی دو مرتبہ دعوت
[illegible] وغیرہ بھی روانہ کیا۔ لیکن انھوں نے معذرت لکھ دی۔
ملتان کے دربار میں خسرو کے علاوہ سب سے زیادہ مشہور شاعر
[illegible] تھے جو تقریباً امیر خسرو کے ہم عمر تھے۔ غزل گوئی میں
[illegible] تھے۔ اسی مناسبت سے انھیں سعدی ہند بھی کہا

جاتا تھا۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ وہ خسرو سے بھی بازی لے گئے تھے۔

حسن کو خسرو سے بہت عقیدت تھی اور اپنے کلام کے متعلق خسرو کی رائے کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اس دوستی کے تعلق کو تسلیم کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

حسن اور برنی کی ملتان کی موجودگی کا وہی زمانہ تھا جب ہلاکو خان کا پوتا ارغو خان ایران کے حکمران فارس کے امراء میں سے سمر خان عرف تمر خان مع بیس ہزار سواروں کے لاہور آیا اور دیپال پور کو فتح اور غارت کرتا ہوا لاہور ہو کر ملتان کی طرف بڑھا تھا۔

سلطان محمد خان نے ملتان سے نکل کر تمر خان کو شکست دی۔ لیکن چونکہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ ایک تالاب کے کنارے پانچسو آدمیوں کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گیا۔ باقی سلطان کی فوج تعاقب کرتی ہوئی تاتاریوں کے پیچھے جا رہی تھی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر تاتاریوں نے دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اچانک عقب سے حملہ کر دیا۔ سلطان نے بلا اپنی فوج کی کافی تعداد فراہم کیے ہوئے نمازیوں کو ساتھ لے کر تاتاریوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا اتفاق سے ایک تیر سلطان کے آن کر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ چونکہ امیر خسرو اور حسن دونوں اس معرکہ میں شریک تھے۔ اس لیے تاتاری ان دونوں کو گرفتار کر کے بلخ لے گئے۔ لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا کا یہ خیال ہے کہ وہ دونوں دوسرے ہی روز راستہ سے واپس آ گئے تھے۔ ڈاکٹر [illegible] لکھا ہے کہ یہ دونوں دو سال کے بعد واپس آئے [illegible]

کہ اول الذکر میں بھی معلوم ہو تا کہ یہ واقعہ ۶۸۴ھ کا ہے اور امیر نے جو شہرہ آفاق مرثیہ شہزادے کی شہادت کے بارے میں لکھا ہے وہ امیر کے چشم دید واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ جو ہر ایک گھر میں پڑھے جاتے تھے۔ اس مرثیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"یہ کوئی معمولی مصیبت نہ تھی جو میں نے دیکھی تھی۔ وہ بھی کیا منحوس ساعت تھی جب شہزادہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ملتان سے روانہ ہوا تھا اور اس نے اپنی کافر کش تلوار کو نیام سے باہر نکالا تھا۔ جب ایسے شدید دشمن کی آمد کی خبر ملی تو اس نے اپنی قوت کی مطلق پروا نہ کی اور غصہ میں آن کر فوراً علم اٹھالیا اور جو لشکر اس وقت موجود تھا اسی کو لے کر ایک ہی سفر میں ملتان سے لاہور پہنچ گیا۔ اس کو یہ غصہ تھا کہ ہمارے عہد میں کفار کی بھی یہ ہمت کہ وہ سرکشی اختیار کریں۔ وہ طیش میں کہا کرتا تھا کہ میرے پاس وہ تلوار اب بھی موجود ہے کہ جب کفار ہلاک ہوتے تھے تو آگ اُن کو اپنی طرف گھسیٹا کرتی تھی۔ میں نے زمین پر اتنا خون بہایا ہے کہ گدھ اس میں تیرتے ہیں جیسے کہ پانی میں مرغابی۔ اور اس سال ان کے خون سے خاک ایسی سُرخ ہو رہی ہے کہ شفق کو اپنا لال رنگ زمین سے حاصل کرنا چاہیئے۔"

اس کے بعد امیر خسرو اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ شہزادہ اس فکر میں تھا کہ کفار کے سر قلم کرے اور تقدیر فلک نے تدبیر کے صفحہ پر مشیت ایزدی کے تحت یہ لکھا کہ محرم کی پہلی رات تھی اور شہزادہ اپنے لشکر کے حسین علیہ السلام کی طرح لڑائی کے میدان

میں تھا۔ اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کی گردنے سورج کی آنکھ میں سرمہ لگایا
افسوس وہ بھی کیا وقت تھا کہ کافر نے اس پر اپنی فوج سے حملہ کیا تھا۔ وہ لوگ
جوق در جوق دریا سے گذر کر آئے اور شہزادہ جبکہ فوج کے ساتھ نماز میں
مشغول تھا ناگاہ اس پر دھاوا بول دیا۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے
بڑھا شاہزادے کو بڑھتے دیکھ کر اس کے سواروں کے سیلاب نے دنیا میں زلزلہ
رونما کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تو نے یہ بھی دیکھا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں، ہنہنانے کی آواز
ڈھول اور طبل جنگ کی گونج اور سواروں کے نعروں نے صحرا اور دشت میں کس طرح
زلزلہ پیدا کر دیا تھا اور زبردست دشمنوں پر ہر متنفس حملہ کے واسطے بے چین تھا
بزدل اس فکر میں تھے کہ بھاگنے کا کوئی موقع ہاتھ آجائے۔ بہادر اور جان فروش
شہزادے کا یہ کام تھا کہ ایک طرف تو خود شمشیر آبدار کے جوہر دکھلا رہا تھا۔ اور
دوسری طرف سر کیف جوانمردوں کو اللہ اکبر کی تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے
فوج کو آگے بڑھا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں تو دن تاریک
ہو گیا۔ انسان انسان سے اور خنجر خنجر سے الجھا آفتاب زرد پڑ گیا۔ دن ختم
ہونے کو تھا کہ انھوں نے تلواروں کے زنگاری رنگ سے خورشید لشکر کے
سر پر ایک نیا سماں کھڑا کر دیا۔ یعنی تلواروں کی صفیں دونوں طرف سے
بڑھتی ہوئی کنگھی کی طرح معلوم ہوتی تھیں گویا تلواروں سے ایک دوسرے کے
بال کھینچ کر بال سے بال گوندھ رہے ہیں اور وہ کافر جو ایک دوسرے سے جو
کی طرح پیوستہ تھے تلواروں سے سر کے بالوں کی طرح صاف ہو رہے تھے
ایک سبز میدان میں لاشیں گیا دنیا کی تصویر [illegible]

...ندگی شمشیر قتال ایک لمحہ کے لیے بھی زوال کے وقت سے رات
... نہ ہوئی۔ یارب! وہ خون تھا جو صحرا میں بہہ رہا تھا یا کوئی دریا
... بھی کیونکہ زخمی جب تڑپ تڑپ کر جان دیتے تھے تو خون ان کے
...ں سے ابلتا تھا۔ خان لشکر کش صفوں کو ترتیب دینے میں مصروف تھا
اور اپنے اقبال کو ہر طرف دوڑا رہا تھا۔ فلک کج رفتار۔ فتح کو پھر بالوں سے
پکڑ کر واپس کھینچے جا تا تھا۔ حالانکہ فتح ان ملعونوں کی طرف سے ہماری
طرف آنا چاہتی تھی۔ کیونکہ کافر رات کی تاریکی میں بھاگ نکلنا چاہتے تھے۔
مگر یکایک ہماری ترازو کا پلڑہ پلٹ گیا۔ آہ! وہ بھی کیا قیامت خیز رات
تھی کہ آفتاب آسمان سے گر پڑا تھا اور دلو جہاں میں آگ لگاتے ہوئے
پھر رہے تھے۔ کیونکہ آفتاب ملک کے دن ختم ہو چکے تھے۔ اگر حسینؑ
کربلا کو بے آبی کا راستہ طے کرنا پڑا تھا تو یہ شاہزادہ محمد تھا جو اسلامی
جوش میں آپ ہی آگ میں کود پڑا تھا اور لوگوں کے دلوں میں مچھلی کے جال
... دہوزن ہو گئے تھے۔ کیونکہ شاہی انگوٹھی پانی میں گر چکی تھی۔
خسرو لکھتے ہیں کہ کافر خون میں یوں پڑے ہوئے تھے۔ جیسے
... کودھا اور مومن کیچڑ میں۔ جیسے پانی میں موتی آب دار۔
... ایک طرف دنیا میں سے گزر رہی تھی اور دوسری کسی سراب کے
... رہی تھی اور سب تختہ خاک کے نیچے چلے جا رہے تھے
... اور خود ہی غلطاں تھے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے
... دیا بانٹے گئے ہوں۔ بہت سے زندہ لیے بھی تھے

جو ہیبت کی وجہ سے مردوں کے درمیان میں بدن پر خون مل کر اور آنکھیں
کرکے لیٹ گئے تھے ۔ غرض کہ یہ معمولی مصیبت نہ تھی جو میری آنکھوں نے دیکھی
میں گویا قیامت کو دیکھ رہا تھا ۔ دائرہ آسمان نے گویا پرکار کی سی گردش کی
تھی ۔ تو نے دیکھا کہ ذرہ نے چشمہ خورشید کی آب چرالی ۔ اور پھر کو دیکھا
کہ اس نے لولوئے شہوار کا کام تمام کر دیا ۔ جیسے ہر سال مغلوں سے دین
کی خاطر برسر پیکار رہنا پڑتا تھا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ بالآخر اس نے سر
دین کی نذر کر دیا ۔"

جمعہ کا دن اور ذی الحجہ کا آخر روز تھا جب یہ واقع ہوا سن ۶۸۳ھ
کا آخری اور ۶۸۴ھ کا پہلا دن تھا ۔ خسرو کے نہ معلوم کتنے دوست
ہوں گے جو اس ہنگامے میں ان سے ہمیشہ کے واسطے جدا ہو گئے ۔ کیسی
کیسی صورتیں ہوں گی جن کو مغلوں کے بے پناہ تیروں اور بے محابا تلوار
نے ہمیشہ کے واسطے خاک میں پنہاں کر دیا ۔ ان دوستوں کا غم خسرو کو
اپنی جان کی سلامتی کی خوشی سے کہیں زیادہ ہوا ۔ اور جگہ جگہ اپنے دکھ رنج
کا بہت دردناک الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک مشہور قصیدہ
حکم الحکم میں لکھتے ہیں کہ صیاد کے پھندے سے مجھے [illegible]
خوشی ہے جب دوستوں اور غمخواروں کا سلسلہ ہی ٹوٹ کر [illegible]
ہو گیا ۔ چمن کی زمین پر زنگار رنگ کے پھول کھلے ہیں [illegible]
کی کلی کی طرح خون ہے ۔ پرانے دوستوں میں سے کوئی [illegible]
میرا بھی آخری سال ہوتا ۔ اب [illegible]

حالانکہ اس کا چھوٹا بیٹا بغرا خاں حاکم لکنوتی مستحق تھا۔ لیکن بلبن اس سے خوش نہ تھا اور باوجودیکہ بظاہر وفاداری بغرا خاں نے کچھ عرصہ دہلی میں بھی قیام کیا تھا۔ تاہم اِس کو محروم کر دیا تھا۔

الغرض ۶۸۶ھ میں بلبن نے اس صدمہ سے نجات پائی اور انتقال کر گیا۔ درباریوں نے بادشاہ کی وصیت کے خلاف کیقباد کو جو بغرا خاں کا بیٹا تھا تخت نشین کر دیا۔ اس تخت نشینی کے سلسلہ میں بغرا خاں اور شاہ بلبن میں یہاں تک ناچاقی بڑھی تھی کہ دونوں نے فوج کشی کر دی تھی۔ لیکن جب فوجیں مقابلہ پر آئیں تو بعض عقلمند اور معاملہ فہم امراء کی کوشش سے یہ خطرناک صورت پیدا نہ ہونے پائی۔ اس کوشش میں جو امراء شریک تھے ان میں امیر علی جماندار خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ غالباً وہ امیر علی ہے جو بادشاہ کے باڈی گارڈ کا سردار تھا اور جس کا ذکر نظام الدین کی طبقاتِ اکبری میں صفحات ۱۱۹ پر کیا گیا ہے۔ امیر کیقباد بھی لشکر کے ساتھ تھا اور اس تعلق کی بناء پر جو اسے خسرو کے ساتھ پیدا ہو گیا تھا۔ خسرو کو بھی اس سفر میں اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اور اس طرح امیر نے یہ سب واقعات بچشم خود دیکھے تھے۔ جن کو انھوں نے کتاب قران السعدین میں لکھا ہے

" بہرحال صلح ہوگئی، کشیدہ تعلقات استوار ہوگئے۔ جب کیقباد بغرا خاں کا بیٹا تخت نشین ہوا تو وہ عیش پرست ثابت ہوا اور اپنے [illegible] آوری کے مقابلہ میں خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں زیادہ [illegible] تھا۔ اس کے اخلاق اور عادات کے بگاڑ میں [illegible]

الدین کا تھا۔ تاہم وہ طبیعت کا برا نہ تھا۔

ملازمت تو پایۂ تخت دہلی کی تھی لیکن خان جہاں جب اودھ کا صوبہ دار مقرر ہوا تو وہ امیر خسرو کو اپنے ساتھ لے گیا اور دو برس تک امیر اودھ میں رہے۔ والدہ سے امیر کو بے حد الفت تھی اس لیے جدائی کی تاب نہ لا سکے اور مفارقت گوارا نہ ہونے کے باعث تمام تعلقات کو خیرباد کہہ کر دہلی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ہر چند خان نے اظہار افسوس کیا اور روکنا چاہا لیکن وہ نہ مانے۔ یہ زمانہ ۶۸۵ھ کا تھا۔ امیر کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ جب دہلی پہنچے تو بادشاہ کیقباد کی فرمائش پر امیر نے باپ بیٹوں کی لڑائی اور صلح کے واقعات مثنوی کی شکل میں لکھے۔ اور خوب لکھے۔ جس کا صلہ بھی ان کو حسب دلخواہ ملا۔

کیقباد تین سال کی حکومت کے بعد ۶۸۹ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا خورد سال بیٹا کیکاؤس تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ بہت کم عمر تھا۔ تین ماہ کے بعد امرائے دربار نے تخت سے اتار دیا اور فیروز شائستہ خان خلجی جس کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا جو بعد میں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے نام سے پکارا گیا۔

ایسے ملکی صاحب مذاق اور علم دوست بادشاہ کے لیے جو دربار مشہور ہو۔ امیر خسرو سے زیادہ اور کون شخص موزوں ہو سکتا تھا چنانچہ بادشاہ نے ان کو مقرر کر کے خاص اپنا لباس عطا فرمایا۔ اور اس کے علاوہ منصب داری اور امانت کے بھی

عہدے دیئے۔ یہ عہدہ اس زمانے میں اس شخص کو دیا جاتا تھا جس کو شاہی قرآن مجید رکھنے کی خدمت سپرد ہوتی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ جامہ اور کمربند (کمر سے باندھنے کا زردوزی پٹکا) جو امرائے کبار کا مخصوص لباس تھا ان کے واسطے مخصوص تھا اور اسی وقت سے خسرو کے نام کے ساتھ امیر کا اضافہ ہو گیا۔ جو آج تک اسی لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

شاہی دربار میں لاتعداد بڑے بڑے علما موجود تھے۔ لیکن امیر خسرو کے آفتاب کمال نے تمام ستاروں کو بے نور کر دیا تھا۔ اس وقت امیر کی تنخواہ ایک ہزار تنکا تھی۔ یوں ملک جلال الدین فیروز اپنے آقاؤں کا وارث بن کر ان کے تاج و تخت پر قابض ہو چکا تھا۔ لیکن اس خاندان اور خصوصاً اپنے آقا بلبن کی وہی قدر اور منزلت دل میں تھی۔ جو اس سے قبل تھی۔ بادشاہ میں خود نمائی نام کو نہ تھی۔ ایک مرتبہ وہ سُرخ محل جہاں بلبن رہتا تھا۔ پہنچا تو تعظیماً اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور امراء سے کہا کہ میں بلبن کے احسانات کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اور جب پہلی مرتبہ تخت شاہی کے قریب پہنچا تو تعظیماً جھک گیا اس کے بعد دربار کیا۔

اس کے زمانے میں امیر کو کافی عروج حاصل تھا۔ شراب ارغوانی کے دور چلتے تھے۔ بڑے بڑے موسیقار اور گویے امیر خسرو کی غزلیں سنایا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں [illegible] کا۔ لیکن [illegible] شکست قبول کرلی۔ اور بادشاہ نے [illegible] کو [illegible] ملتان کا حاکم بنا دیا۔ [illegible]

[illegible] واقعات کو امیر خسرو نے مثنوی مفتاح الفتوح میں درج کیا ہے۔
[illegible] کی حکومت پر عافیت اور اطمینان کی تھی زیادہ عرصہ تک
[illegible] کیونکہ بادشاہ کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا اور بجائے اس
[illegible] کہ یہ شمع بھی جھلک جاتا اس کے اپنے ایک عزیز قریب نے۔ بیدرد
[illegible] نے بادشاہ کو زمین پر پٹخ کر ذاتی مفاد کی غرض سے پاش پاش کر دیا۔
اس کے واقعات مختصراً یہ ہیں کہ قاتل علاؤالدین خلجی۔ فیروز خلجی
کا بھتیجا بھی تھا اور داماد بھی تھا۔ فیروز خلجی نے اس کو کڑہ مانک پور کا
حاکم مقرر کیا تھا اور وہاں اس نے اپنے پاؤں خوب جمائے تھے۔ بظاہر
تو وہ بادشاہ پر اپنی خیر خواہی کا رنگ جمائے ہوئے تھا۔ لیکن در اصل وہ
اس کی جان کا خواہاں تھا۔ شاہ فیروز خلجی (جلال الدین) کو دھوکے
اور چال بازی سے علاؤالدین نے کڑہ مانک پور (الہ آباد) بلوایا جو گنگا
کے کنارے الہ آباد سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر لب سڑک واقع
ہے۔ بادشاہ معمولی حفاظتی فوج لے کر وہاں گئے اور ملاقات کا وہ نتیجہ
نکلا جس کی تاریخ میں مشکل سے کوئی مثال مل سکتی ہے۔ اس دغا اور فریب
[illegible] کی بدولت بڈھا جلال الدین فیروز خلجی نہ صرف اپنی جان سے
[illegible] وارث بھی تخت و تاج سے محروم ہو گئے۔ جب یہ
[illegible] کنارے پر پیش آیا تھا تو دوسرے کنارے پر فیروز خلجی کا
[illegible] کر رہ گیا تھا۔ اس خوفناک واقعہ کے
[illegible] کہ بادشاہ کا سر کٹا ہوا ایک [illegible]

کے جال میں آگیا تھا جس کی وجہ سے وہ گاؤں تاج سر مشہور ہو گیا۔

دہلی میں جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو ملکہ جہاں کو بہت تشویش ہوئی
بڑے بیٹے خان جہان کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ دوسرا بیٹا ارکلی خان
جو سب بھائیوں میں زیادہ قابل اور جری تھا۔ ملتان میں تھا۔ ملکہ نے سب سے
چھوٹے بیٹے رکن الدین ابراہیم قادر خان کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر
دیا اور جو امراء دہلی میں موجود تھے انھوں نے بھی اس فیصلہ کو منظور کر لیا۔
علاؤالدین اپنے چچا کے خون میں ہاتھ رنگنے کے بعد فوراً دہلی کی طرف
روانہ ہو گیا۔ اب بے چارے رکن الدین اور اس کی ماں کے لیے سوا اسے
اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ دونوں ارکلی خان کے پاس ملتان جا کر
پناہ لیں۔ چنانچہ یہی ہوا اور ۹۵-۱۲۹۶ء میں علاؤالدین اس جابرانہ رویّہ
کی بدولت باقاعدہ دہلی میں تخت نشین ہو گیا۔

امیر خسرو نے جہاں انسانی خود غرضیوں کے تماشے دیکھے تھے۔
یہ خونِ ناحق بھی دیکھ لیا۔ کچھ عجیب اتفاق تھا کہ جب امیر کو تھوڑا سا
بھی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ اس قسم کے واقعات پھر قسمت کو
پلٹ دیتے تھے۔ امیر خسرو کو اپنے ولی نعمت کے اس حادثہ کا بہت
افسوس ہوا۔ لیکن اس کے جانشین کی تخت نشینی پر جو قصیدہ لکھا اس میں
اپنے تاثرات کا اظہار کیسے ممکن تھا۔ خود امیر خسرو ہی کی بعض تحریرات
سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسا عمدہ زمانہ انھوں نے [illegible]
کے لحاظ سے فیروز خلجی کا دیکھا تھا وہ [illegible]

[illegible] کے بعد ہی ہر قسم کی اصلاحات کی

[illegible] اس کے بعد عام طور پر ممنوعات شرعی

[illegible] کی سختی سے پابندی عائد کر دی اور اصلاحی احکامات

جاری کر دیے ، اس کے زمانے میں بہت سے سرکش راجہ مطیع اور فرمانبردار

ہو گئے اور ملک میں فتنہ و فساد کا قلع قمع ہو گیا تھا ۔

تاتاریوں نے اس کے زمانے میں بھی حملے کیے اور بعض اوقات

سخت لڑائیاں بھی ہوئیں ۔ جن میں علاؤالدین کو کامیابی ہوئی ۔ تاتاری گرفتار

ہوئے اور ان کو بیدردی سے قتل کیا گیا ۔ تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو ۔ ایک

آخری حملہ تاتاریوں کا ایسا شدید تھا کہ انھوں نے متواتر دو ماہ تک

دارالخلافہ دہلی کا محاصرہ جاری رکھا ۔ لیکن پھر خود ہی واپس چلے گئے

اس واقعہ کو عام طور پر شاہ نظام الدین اولیاء کی کرامات خیال کیا

جاتا ہے ۔

علاؤالدین کے زمانے میں ملک کا انتظام قابلِ اطمینان تھا کپڑا

اور غلہ بہت سستا تھا ۔ رعایا خوشحال اور فارغ البال تھی ۔ ہر قسم

کی بدعات ختم ہو چکی تھیں ۔ بردہ فروشی ، رہزنی ، شراب خواری تقریباً

ختم تھی ۔ اس زمانے میں جادوگر عورتیں بچوں کو مار کر ان کا خون پی

[illegible] کا سختی سے انسداد ہو گیا تھا اور ایسی عورتوں کو عبرت

[illegible]

[illegible] یہاں کبھی داد و دہش نہ تھی ۔

امیر خسرو نے جو ایک عرضداشت میں اپنی حالت کا اظہار کیا ہے اس کو
پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت کے خلاف وہ امیروں اور بادشاہ کے
ساتھ ہم پرچا ہوتا تھا جس کی وجہ سے ان کو علمی ادبی مشاغل کے واسطے
وقت نہ ملتا۔ اور نہ سکونِ قلب حاصل ہوتا تھا۔

شاہ نظام الدین اولیاءؒ کا زمانہ سنہ ۶۳۶ھ لغایت سنہ ۷۲۵ھ ہے۔
اور علاء الدین کی بادشاہت ہی کے زمانے میں امیر خسرو نظام المشائخ کے مُرید
ہوئے تھے۔ عمر بھی کافی ہو چکی تھی۔ دربار داری کے بعد ان کو جس قدر بھی
وقت ملتا تھا، پیر کی صحبت میں صرف کرتے تھے۔ مریدی کے بارے میں
بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے سنہ [illegible]ھ میں پیر سے بیعت حاصل کی تھی۔

سلطان علاؤالدین نے اکیس ۲۱ سال حکومت کی اور سنہ ۷۱۶ھ میں
وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین تخت پر بیٹھا اور صرف
تین ماہ حکومت کر سکا۔ قطب الدین مبارک شاہ جب بادشاہ ہوا تو
اپنے ایک نو مسلم ملازم کو جو خاندان کا بھی اچھا نہ تھا خسرو خاں کا خطاب
دے کر قلمدان وزارت اس کی سپرد کر دیا تھا جب [illegible]
دکن کی مہم میں شریک ہوا۔ اور فتح حاصل کی تو غرور [illegible]
ہو گیا۔ رعونت اور تند مزاجی کے علاوہ وہ اپنے آپ کو [illegible]
رب العالمین ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ بھائیوں کو [illegible]
قتل کرا دیا۔ اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء [illegible]
رہ گیا۔ اس کا ایک [illegible]

یہ بادشاہ سلطان تغلق عرف غیاث الدین کے نام سے مشہور ہوا [illegible]
شعبان ۷۲۱ھ مطابق ستمبر ۱۳۲۱ء کا ہے۔ غازی ملک تغلق بہت
منکسر مزاج، خوش خلق، مذہب کا پکا، اور شعارِ اسلامی کا پابند تھا۔
اس کے بادشاہ ہونے سے ملک میں اظہار اطمینان کیا گیا۔ دبیر نے بھی بڑی
گرم جوشی سے استقبال کیا اور ایک قصیدہ میں جو تخت نشینی کے بعد لکھا
تھا۔ بادشاہ کی بہت تعریف کی تھی۔ تغلق شاہ بھی بظاہر دبیر کی بہت عزت کرتا تھا لیکن
حسن اتفاق دیکھئے کہ یہ بادشاہ بھی حضرت نظام الدین اولیاء کی طرف سے
بدگمان رہا اور جو رقومات خسرو خان نے اپنی ہر دل عزیزی کی غرض سے امرا
اور مشائخ کو دی تھیں۔ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ خزانے میں روپیہ
نہ تھا۔ لیکن نظام المشائخ نے واپس کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ غربا اور مساکین کی
امداد میں خرچ ہو چکی تھیں۔ یہ جواب ملنے پر بادشاہ اور زیادہ ناخوش ہو گیا۔
۷۲۵ھ میں غیاث الدین تغلق ترہٹ اور سنار گاؤں کی مہمات
پر روانہ ہوا اور اپنے بیٹے جونا خان عرف محمود تغلق کو اپنی جگہ دہلی میں اپنا
نائب مقرر کر کے اور امیر خسرو کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ اس کا بغض نظام
مشائخ سے اس قدر بڑھ گیا تھا کہ روانگی کے وقت اس نے یہ فرمائش کی [illegible]
کہ وہ اس کے دہلی آنے سے پہلے دار السلطنت چھوڑ کر [illegible]
اچھا نہ ہو گا۔
یہ حکم دے کر بادشاہ مہم پر روانہ ہو گیا [illegible]
ہو کر دہلی واپس آ رہا تھا۔ اس وقت [illegible]

[illegible] سب نے حضرت کو یہی صلاح دی کہ دہلی چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ "ہنوز دلّی دُور است" یعنی اس کو دہلی آنے تو دو۔ ابھی تو دہلی اس سے دُور ہے۔

جب بادشاہ کے بیٹے جوناخان کو اپنے باپ کی آمد کا علم ہُوا۔ تو شاہی استقبال کے واسطے اس نے دہلی کو پُر رونق بنانا چاہا۔ اور انواع اقسام کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن چونکہ وقت کم اور کام زیادہ کرنا تھا اس واسطے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ دہلی سے تھوڑے فاصلہ پر ایک مکان تعمیر کرا کر اس میں بادشاہ کو ٹھہرایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بادشاہ، امراء، اور خود جوناخان اسی مکان میں کھانے سے فارغ ہوئے تو شاہزادہ اٹھ کر ہاتھیوں کو جن کو وہ اپنے ہمراہ لایا تھا۔ بادشاہ کو دکھلانے کے واسطے ترتیب سے کھڑا کرانے کا بندوبست کرنے کے واسطے باہر چلا گیا۔ عین اسی وقت اس عمارت کی چھت بادشاہ اور درباریوں پر گری اور بادشاہ ہلاک ہو گیا۔ اور جوناخان عرف ناصر الدین محمد تغلق دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔ اس طرح حضرت نظام المشائخ کی پیشین گوئی کہ "ہنوز دہلی دُور است" درست ثابت ہوئی۔

باب ۳

سلسلہ طریقت بیعت اور وفات

قبل اس کے کہ امیر خسرو کے حالات شروع کیے جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیر حضرت نظام الدین کے بارے میں چند ضروری باتیں بیان کر دی جائیں۔ حضرت کا اسم گرامی محمد بن احمد بن علی البخاری اور القاب سلطان المشائخ، سلطان جی، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین، اور نظام الدین اولیا ہے مگر عوام میں محبوب الٰہی کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ کے والد بزرگوار غزنی سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے تھے۔ اخبار الاخیار میں مذکور ہے کہ خواجہ صاحب کے دادا اور نانا موطن بخارا سے لاہور آئے اور وہاں کچھ روز قیام کر کے ضلع بدایوں صوبہ یوپی (ہندوستان) پہنچے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اسی شہر میں ۱۲۳۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ آپ کے والد کا نام احمد بن دانیال تھا اور غزنی سے ہندوستان آئے تھے۔

آپ کا سن ابھی پانچ ہی سال کا تھا کہ آپ کے والد دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اور آپ کی تعلیم اور تربیت کا بار آپ کی والدہ

درس میں شریک نہ رہے۔ اگر بتلا دو تو میں پھر وہی قصور کروں تاکہ تم آئندہ وہاں حاضر نہ ہو سکو۔ لیکن جب خواجہ نظام الدین کا درس غائب ہو جاتا اور وہ استاد کے پاس جاتے تو وہ ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یارے کم از آنکہ گاہ گاہے
آئی و بما کنی نگاہے

تذکرہ اولیائے کرام میں مذکور ہے کہ خواجہ نظام الدین بلال دار خلشت کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں رہا کرتے تھے اور قریب ہی خواجہ فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا جو ظاہری اور باطنی علوم سے بہرہ ور تھے۔ ان کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ خواجہ صاحب کے دل میں بابا فرید شکر گنج کی ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا۔ ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے کہ صبح کے وقت موذن نے مینار پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی (ترجمہ) "کیا وہ وقت نہیں آیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ ان کے دل اللہ کے ذکر اور اس کی فضیلت سے جھک جائیں" یہ سن کر آپ کے دل کی عجب کیفیت ہوئی۔ اسی زمانے میں ابوبکر قوال جو اجودھن (پاک پٹن شریف) سے آیا ہوا تھا اس سے نظام الدین اولیاء کو وہاں کے حالات معلوم ہوئے اور بابا صاحب سے اشتیاق قدمبوسی پیدا ہوا۔ اور آپ زیارت کو روانہ ہو گئے۔

جب آپ وہاں پہنچے تو بابا صاحب نے آپ کو دیکھ کر شعر پڑھا ؎

[illegible] شرافت و[illegible]کباب کردہ
[illegible]یات [illegible] جان انقلاب کردہ

[illegible]ہجر[illegible] کی آگ نے میرے دل کو کباب کر دیا ہے اور اشتیاق
ملاقات کے جوش نے جان کو خراب کر دیا ہے۔

بہرحال جب آپ کی بابا صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے
اسی وقت چار ترکی نامی ٹوپی سر سے اُتار کر مُرید کے سر پر رکھ دی تھی۔
خواجہ صاحب اپنے پیر کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ لغایت
۲ ربیع الاول تک تعلیم و تربیت روحانی حاصل کرتے رہے۔

خانقاہ میں کھانے کا انتظام مُریدوں کے ذمہ تھا۔ چنانچہ نظام الدین اولیاءؒ
بھی اسی انتظام پر مامور تھے۔ ایک روز اتفاق سے نمک نہ تھا آپ نے بطورِ
قرض بقال سے نمک لے کر کھانے میں ڈال دیا تھا۔ حضرت بابا صاحب نے
جب نوالہ اٹھانا چاہا تو فرمایا کہ "ازیں بوئے اسراف می آید" یعنی اس میں
فضول خرچی کی بو آ رہی ہے۔ حضرت نظام الدین نے عرض کیا کہ اس کھانے
میں قرض کا نمک ہے۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے اگر
[illegible] تو اس سے بہتر ہے کہ لذتِ نفس کے لیے وہ مقروض ہوں کیونکہ
[illegible] میں [illegible] بعد الشرقین ہے۔

[illegible] کھانا فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کے بعد پیر
[illegible] قرض کی ضرورت ہی نہ ہو گی۔
[illegible] دہلی تشریف لائے تو شہر میں قیام

...کو دیئے ہوئے عصا اور خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
...ان کو ملا تھا مولانا بدر الدین اسحاق کی معرفت اپنے مرید خواجہ نظام الدین
...پاس بھیج دیا تھا۔ بابا صاحب کے مریدوں میں علاؤ الدین صابر کلیری بھی تھے
...صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "علم سینہ من بر شیخ نظام الدین اولیا مرید آلونی
...و علم دل من بہ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر فائز گردید۔"

امیر خسرو بھی ان خوش قسمت لوگوں میں تھے جو حضرت نظام المشائخ سے
...حانی فیض یاب ہوئے۔ خسرو کے اپنے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ
۱۷۱ھ میں باقاعدہ مرید ہوئے۔ اور آپ کو حضرت نے ایک بارانی اور ایک
...لاہ چہارترکی عنایت فرمائی تھی۔ امیر خسرو پر پیر و مرشد کی تربیت کا ایسا اثر تھا
...کہ برسوں صائم الدہر رہے اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش تھی کہ سینہ پر سے
...بستر ایسا ہو جاتا تھا کہ گویا جل گیا ہے۔

آپ کے مرید ہونے کے زمانے میں اختلافات ہیں۔ بعض فضل الفوائد
...حوالے سے ۶۷۱ھ بتلاتے ہیں اور بعض کی تحریروں سے اکتالیس سال
...رق ظاہر ہوتا ہے اور یہ غالباً ان بیانات کی بناء پر ہے کہ جن میں آٹھ سال
...عمر میں مرید ہونا بتلایا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ مرید ہو جانے کے بعد جو
...کے پاس تھا وہ سب اللہ کی راہ میں دے دیا تھا اور پایہ دُامن
...کے خواجہ صاحب سے امیر کی ارادت اور عقیدت عشق
...وقت ساتھ رہا کرتے تھے۔ انہی کے خیال
...بھی ان کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ فرمایا

کرتے تھے کہ جب قیامت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ نظام الدین کیا لایا ہے
تو خسرو کو پیش کر دوں گا۔ امیر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے کہ "الٰہی
بسوزِ سینۂ ایں ترک مرا بہ بخش" یعنی اے اللہ اس ترک کے سینہ میں جو
آگ روشن ہے اس کی بدولت مجھے بخش دے"۔ خواجہ صاحب نے امیر کو
ترک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء لبِ دریا کوٹھے
پر بیٹھے ہوئے تھے اور اہلِ ہنود کے اشنان اور طریقہ عبادت کو دیکھ رہے
تھے۔ امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

یعنی ہر قوم سیدھے راستے پر ہے جو اپنا دین اور قبلہ بھی رکھتی ہے۔ اس
وقت نظام الدین اولیاء کی ٹوپی اتفاق سے ٹیڑھی تھی۔ امیر نے اسی طرف
اشارہ کرکے کہا

من قبلہ راست کردم بر طرف کج کلاہے

یعنی میں نے ٹیڑھی ٹوپی والے کی طرف رخ کرکے اپنا قبلہ سیدھا کر دیا ہے۔

علامہ زمان میر غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب خزانۂ عامرہ میں تحریر
کرتے ہیں کہ جس وقت امیر خسرو نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں
حاضر ہو کر اپنی نظم جو حضرت کی مدح میں لکھی تھی، سنائی تو آپ بہت خوش ہوئے
اور فرمایا کہ کیا صلہ چاہتا ہے۔ عرض کیا کہ دعا فرمائیے کہ میرے کلام میں شیرینی
پیدا ہو جائے۔ فرمایا کہ ہماری چارپائی کے نیچے

[illegible] پیر کھاسے۔ امیر نے ایسا ہی کیا۔
[illegible] کلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ بعد میں افسوس کیا کہ میں نے
[illegible] سے بہتر چیز کی دعا کے واسطے کیوں نہ خواہش کی۔

ایک مرتبہ حضرت امیر خسرو نے رسول کریم کی شان میں ایک طویل
[illegible] لکھی۔ جو ایک کتاب بن گئی۔ آپ نے وہ کتاب اپنے پیر کی خدمت
[illegible] پیش کی۔ حضرت نے اس کو لے لیا۔ جب کئی روز گزر گئے اور امیر
[illegible] اس کے بارے میں حضرت کی رائے معلوم کرنا چاہی۔ آپ نے فرمایا
[illegible] نے اس کو دیکھ لیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ امیر نے نہایت
[illegible] سے عرض کیا کہ اگر رائے عالی معلوم ہو جائے تو اس خادم کو اطمینان
[illegible] جائے گا۔ حضرت نے جواب دیا کہ اچھا تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اسی
[illegible] امیر نے رات کو خواب دیکھا۔ کہ ایک مجلس ہے جس میں اکثر اولیائے عظام
[illegible] تشریف فرما ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا انتظار کیا جا رہا ہے چنانچہ
[illegible] بھی تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ صدر جلسہ نے ان سے
[illegible] فرمایا کہ سعدیؒ اپنی وہ نعت سناؤ جس سے بہتر رسول کریم
[illegible] شان میں کوئی نعت ہو ہی نہیں سکتی۔ سعدی نے خوش الحانی سے یہ نعت
[illegible]

[illegible] بکمالہٖ ۔ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
[illegible] ۔ صلّوا علیہ وآلہٖ
[illegible] آنکھ کھل گئی۔ صبح

کو پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کے خواب کا ماجرا بیان کیا۔ حضرت
فرمایا کہ خسرو سعدی نے اس نعت میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے
اس سے بہتر کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔

فی الحقیقت انسان کی صفات میں یہی تین چیزیں دیکھی جاتی ہیں
یعنی اس کا کمال، جمال اور خصال۔ حضرتؐ ان تینوں صفات کا ایسا
مجموعہ تھے جو کسی بشر میں نہیں پائی گئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت
ہو گا کہ اللہ نے خود تعریف فرمائی ہے اور کلام پاک اس کا مؤید ہے۔
امیر خسرو نے بھی اس کو تسلیم کیا اور پیر سے کتاب لے کر دریا میں
ڈال دی۔

پیر کو حضرت امیر سے اس قدر انس تھا کہ یہ وصیت فرمائی تھی
کہ خسرو میرے مزار کے قریب نہ آنے پائیں ورنہ بے تاب ہو کر میرا
جسم باہر آجائے گا۔ چنانچہ امیر مزار سے دور ہی بیٹھے رہتے تھے آج
بھی یہ دستور ہے کہ زائرین پہلے حضرت امیر کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہیں
اس کے بعد شاہ نظام الدین کے مزار پہ جاتے ہیں اور فاتحہ خوانی
کرتے ہیں۔

نفحات الانس میں مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک دن حضرت
سلطان المشائخ کے اشارے سے حضرت امیر خسرو خواجہ خضرؑ سے ملاقی
ہوئے اور لعاب دہن کی خواہش کی۔ حضرت خضرؑ نے [illegible]
تو شیخ سعدی کی قسمت میں تھی جو ان کو مل گئی امیر خسرو [illegible]

...کی خدمت حاضر ہوئے اور کل حال بیان کیا۔ حضرت نے
...لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور برکت اس کی ظاہر ہو گئی۔
تذکروں میں یہ واقعہ منقول ہے کہ سلطان جلال الدین کو حضرت
نظام الدین کی قدمبوسی کا بے حد اشتیاق تھا مگر اجازت نہ ملتی تھی آخر ایک
دن امیر خسرو سے کہا کہ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ بلا اجازت ہی ایک دن ان کی
خدمت میں پہنچ کر قدمبوسی حاصل کروں اور امیر خسرو کو منع کر دیا کہ یہ راز افشا
نہ ہو۔ آپ یہ سن کر بہت پریشان ہوئے کیونکہ اُدھر بادشاہ ادھر پیر کی ناراضگی
کا سوال۔ یہ دونوں باتیں متضاد اور سخت تھیں۔ آخر کار پیر سے سب حال بیان
کر ہی دیا۔
حضرت سلطان المشائخ یہ سن کر اجودہن (پاک پٹن) اپنے پیر
خواجہ فرید الدین گنج شکر کے پاس روانہ ہو گئے۔
بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو امیر سے راز فاش کرنے کی وجہ دریافت
کی انھوں نے سب حال سچ سچ بیان کر دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! تیری
ناراضگی میں تو صرف جان کا خوف ہے اور حضرت کی ناراضگی میں سلب ایمان
کا خوف تھا۔ اس وجہ سے میں نے جان پر ایمان کو ترجیح دی اور حضرت سے
حال ظاہر کر دیا۔
بادشاہ سمجھدار تھا معقول جواب سن کر خاموش ہو گیا۔
...سلطان علاؤ الدین خلجی نے چاہا کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی
...نامدار مشائخ چشت تھے حضرت سلطان

المشائخ کے ہم عصر اور ایسے مست الست تھے کہ بڑے بڑے صاحب
لوگوں کی ہمت ان کے سامنے جانے کی نہ ہوتی تھی۔ بادشاہ نے کچھ نذ
ارسال کرنے کا ارادہ کیا۔ اُمرا کی یہ رائے ہوئی کہ سوائے امیر خسرو کے
دوسرا شخص اس کام کے واسطے موزوں نہیں ہے، بادشاہ نے ایک در
امیر کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بھیجا کہ امیر خسرو کو جانے کی اجا
ہو جائے۔

پہلے تو سلطان المشائخ نے تامل کیا پھر کچھ سوچ کر اجازت دے
اور روانگی کے وقت امیر خسرو کو نصیحت کر دی کہ جو کچھ قلندر عاشق ادث
فرمائیں اس کو تسلیم کرنا اور کسی بات پر معترض نہ ہونا۔ امیر خسرو دہلی سے
سلطانی لے کر پانی پت روانہ ہوئے اور تیسرے روز وہاں پہنچ کر اپنے آ
کی اطلاع قلندر صاحب کو کرائی۔ فرمایا کہ آنے دو۔ امیر نے قریب پہنچ
سلام علیک کی۔ قلندر صاحب نے اس کے جواب میں کوئی لفظ ہندی زبا
کا فرمایا۔ جس کے معنی گانے والے کے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر امیر نے پھ
سلام کیا اور کہا یہ آپ کی عنایت ہے کہ جو میری طرف خطاب ہوا۔ ور
میں تو ایک ناچیز بندہ ہوں۔ یہ جواب سن کر قلندر صاحب نے فرمایا

"از کلام ہائے خود چیزے بگو"

یعنی اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ امیر نے ... ایک
غزل سنائی جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے

آفتِ دین مسلمانی جز آن عیار نیست
تشنۂ خون مسلمانان جز آں خونخوار نیست

ترجمہ

دین اسلام کے لیے بڑی آفت تو وہ شوخ ہی ہے۔ اس سفاک سے زیادہ کون مسلمانوں کا تشنہ خون ہے۔

چند گویندم بروز نار بند اے بت پرست
بر تن خسرو بکد امے رگ کہ آن زنار نیست

ترجمہ

میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ اسے گلے میں جنیؤ ڈالے ہوئے بت پرست چلا جا، کیونکہ مجھے تو اپنے جنیو پر ناز ہے اور خسرو کے جسم میں جس قدر رگیں ہیں وہ سب جنیو ہیں۔
یہ غزل سن کر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خسرو خوب ہے۔ خوش رہے گا۔ خوش جائے گا۔ اس کے بعد یہ اشعار قلندر صاحب نے پڑھے۔

دنیم خسرواں بر سے فیل و شتر است
خسرو کسے کہ حلقۂ تجدید بر سر است
عقل کل است علم لدنی بعارفان
آں عقل و علم جسم و رسم ہم مختصر است

امیر خسرو پر رقت طاری ہو گئی۔ قلندر صاحب نے فرمایا کہ کچھ سمجھا بھی؟

امیر نے جواب دیا کہ مجھے رونا اس قدر آیا کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ یہ جواب سن کر قا
صاحب بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول کر لی۔ فرمایا۔ کہ اگر مو
نظام الدین (سلطان المشائخ) درمیان میں نہ ہوتے تو میں ہرگز قبول نہ کر
اس کے بعد خدام کو حکم دیا کہ امیر خسرو کو خانقاہ میں اعزاز اور اکرام سے رکھ
چنانچہ تین دن امیر نے وہاں قیام کیا۔ پھر اجازت چاہی۔ اجازت مل گئی ا
دو خط ایک حضرت سلطان المشائخ اور دوسرا سلطان علاؤالدین کے نام تح
کر کے ان کو دیئے۔

حضرت امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب ہی تھے
بلکہ شاہی درباروں سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے۔ لیکن باوجود اس
کے وہ کبھی تو مرشد کی خلوت میں ایک ادنیٰ خادم بن کر رہتے تھے۔ کبھی جلوت
میں خوش الحان قوال کے انداز میں مرشد کو اپنی غزلیں سناتے تھے اور جو شعر
مرشد کو پسند آتا تھا اس کو بے خود ہو کر بار بار خود بھی گایا کرتے تھے۔ وہ اپنی
شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کا فیض خیال کرتے تھے مرشد
سے امیر کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک درویش نے
محبوب الٰہی کے پاس آن کر سوال کیا۔ اتفاق سے اس روز لنگر خانے میں کوئی
چیز دینے کے واسطے نہ تھی۔ محبوب الٰہی نے فرمایا کہ آج جو کچھ بھی آئے گا
تم کو دیا جائے گا۔ مگر اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہ آئی۔ فرمایا
کہ کل جو کچھ آئے گا وہ تمہارا ہے لیکن دوسرے [illegible] آیا۔ بالآخر
محبوب الٰہی نے اپنے پیر کی جوتیاں دے کر فقیر کو رخصت کر دیا

دہلی میں کسی امیر خسرو مل گئے اور درویش سے شیخ کی خیریت دریافت کی ۔
جب درویش وہاں کے حالات بتلا رہا تھا تو اس نے وہ نشانی بھی دکھلا دی جو وہاں
سے ملا تھا ۔ امیر دیکھ کر بے قرار ہو گئے ۔ درویش سے پوچھا کہ "میاں صاحب اس
کو فروخت کرتے ہو ؟" وہ راضی ہو گیا ۔ امیر کے پاس اس وقت ایک قصیدہ
کے صلہ کی کثیر رقم تھی ۔ جو بادشاہ نے دی تھی ۔ وہ سب درویش کو دے کر
نعلین خرید لیے ۔ اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے
محبوب الہٰی نے دیکھ کر فرمایا کہ خسرو ! یہ چیز بڑی سستی تمہارے ہاتھ آ گئی
امیر نے عرض کیا کہ اگر میری جان کے عوض بھی مجھ کو یہ چیز مل جاتی تب بھی میں اس
کو سستی ہی خیال کرتا ۔

محبوب الہٰی کی محبت کا بھی یہی عالم تھا ۔ ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر شریعت
میں اجازت ہوتی تو میں یہ وصیت کرتا کہ امیر خسرو کو بھی میری ہی قبر میں دفن کیا
جائے ۔ اس کے بعد یہ وصیت فرمائی تھی کہ خسرو کی قبر میرے پہلو میں ہونی چاہیئے
انتقال سے پہلے حضرت صاحب فراش ہو چکے تھے کیونکہ علیل تھے
بالآخر وہ دن بھی آ پہنچا جب آپ کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا ۔
انتقال کے وقت جو کچھ بھی اناج یا نقد آپ کے پاس تھا وہ سب غربا اور
مساکین میں تقسیم کر دیا اور اپنے خاص مریدوں کو خاص خاص مقامات کے
واسطے نامزد کیا اور اپنی چادر ، عصا ، سجادہ اور کشکول وغیرہ حضرت
[illegible] کو عطا کر کے ان کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر کیا ۔ اور
[illegible] کے وقت آپ اس دنیا سے رخصت ہو

گئے۔ عمر آپ کی نوّے سال کی ہوئی۔

آپ کا سلسلہ بیعت و طریقت حضرت خواجہ ممشاد دینوری، حضرت خواجہ ابو محمد چشتی، حضرت خواجہ ناصر الدین چشتی، حضرت خواجہ مودود چشتی، حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی، حضرت خواجہ عثمان ہارونی، سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ ممتاز کاکی، حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء دہلوی سے ہے۔

جس وقت حضرت نے وصال فرمایا حضرت امیر خسرو بنگال میں تھے۔ یکایک پیر کی یاد نے آپ کو بے چین کر دیا اور اجازت لے کر دہلی کا رخ کیا۔ راستے کے منازل تیزی سے طے کرتے ہوئے دہلی پہنچے اور پیر کے وصال کا علم ہوا۔ یہ سن کر آپ بے چین ہو گئے۔ سر کو ٹکرا کر چیخ ماری۔ اور کہا کہ "سبحان اللہ! آفتاب در زمین اور خسرو زندہ" یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو اپنی ساری املاک شیخ کے ایصال ثواب کے لیے فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دی اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر انوار پر گئے اور اسی وقت سے مجاوری کی خدمت انجام دینے لگے اور اسی فراق کے صدمہ میں پانچ ماہ بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو آپ بھی اس دار فانی سے جدا ہو کر اپنے محبوب سے جا ملے۔

کتاب سفینۃ الاولیاء سے اس کی تصدیق ہوتی ہے انتقال سے چند روز قبل آپ اپنا یہ دوہا پڑھا کرتے تھے

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارو کیس
[illegible]

[illegible] گیسو دراز تھے وہ اپنے بالوں سے منہ ڈھانکے ہوئے سو رہے ہیں۔ [illegible] خسرو! تو بھی اپنے اصلی گھر چل، کیونکہ تاریکی ہر طرف پھیل گئی ہے

جب امیر رحلت فرما گئے تو وصیت کے بموجب جو شیخ نے کی تھی۔ آپ کو ان کے پہلو میں دفن کرنے کی تجویز ہوئی۔ لیکن مہدی خواجہ سرا نے جو اس وقت منصب وزارت پر فائز تھا اور شیخ کے مُرید بھی تھے، اس بنا پر ایسا کرنے سے روک دیا کہ دونوں قبروں میں تفریق جاتی رہے گی۔ آپ کی عمر ۷۲ سال کی ہوئی۔ پیر کے انتقال کے بعد آپ کچھ ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد صرف ایک آدھ قصیدہ اس کی تعریف میں کہا تھا مگر شاعری سے دل سرد ہو چکا تھا اور پیر کے وصال کے بعد خود ہی کہہ دیا تھا کہ اب زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہوں گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔

امیر کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو گی کہ آپ کا مقبرہ ہندی خواجہ نے جو سلطان بابر کا خاص امیر تھا تعمیر کرایا اور ملا شہاب معمائی نے آپ کی تاریخ وفات لکھ کر کندہ کرا دی:

شد [illegible] المثل یک تاریخ او
[illegible] [illegible] ب
[illegible] [illegible] طوطے شکر مقال

امیر [illegible] کے صاحبزادوں میں ملک احمد شاعر تھے اور سلطان فیروز شاہ کے دربار [illegible] تھے [illegible] لیکن انصاف یہ ہے کہ امیر خسرو کی اس یادگار سے جو [illegible] وہ [illegible] تھا وہ پوری نا مرسوئی۔ اصلیت یہ ہے کہ ملک احمد [illegible] بادشاہ اور دربار کی ان کو بھی گویا امیر کا

تبرک خیال کرتے تھے۔

شاہ علاالدین اور اس کے تمام خاندان کو حضرت نظام المشائخ سے خاص عقیدت تھی۔ خضر خان جو مرید تھا اکثر پریشانی اور فکر کی حالت میں پیر سے رجوع کرتا تھا اور دعا کا طالب ہوتا تھا۔ یہی حالت بادشاہ کی تھی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کو امیر خسرو سے جو خلوص تھا اس کا ثبوت خود ان کی رباعی سے ہوتا ہے ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست
ملکیت کہ ملک سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

حقیقت بھی یہی ہے کہ ۶۹۸ھ میں ان کی والدہ اور چھوٹے بھائی حسام الدین کے انتقال کے صدمہ کو جو امیر کو ہوا تھا صرف پیر کی صحبت ہی دور کر سکتی تھی حضرت کا مزار نظام المشائخ کے پائنتی ہے اور یہ قطعات ان کی لوح مزار پر کندہ ہیں۔

اے شربت عاشقی بجامت	وز یاد لبان زماں پیامت
شد سالک فرید از تو منظوم	زانست کہ شد لقب نظامت
جاوید لقاست بندہ خسرو	چوں شد بہ مزار جلیل غلامت

مرا تاریخ نیکو بست خواجہ عظیم | [illegible]

[illegible] درویش صفت ما — بدانم کہ ہستی تو مرد فہیم

حضرت امیر خسرو کا مقولہ ہے کہ "ہر کہ خود را بیند خدائے را نہ بیند"
یعنی جو شخص محض اپنی خواہشات نفسانی کے قریب ہے وہ خدا سے دور ہے
جو لوگ صاحبِ عقل ہیں وہ پانی آگ اور حاکم پر اعتماد نہیں کرتے۔ تال سم
کی واقفیت اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ
کے پاس ایک درویش سیاح آئے اور رات کو کھانا کھانے کے بعد اپنی
سیاحت کی داستان اس قدر طوالت سے بیان کی کہ رات زیادہ گذر گئی
اور داستان ختم نہ ہوئی۔ حضرت نے انگڑائیاں، جمائیاں بھی لیں۔ لیکن وہ سادہ
[illegible]ح نہ سمجھ سکا۔ جب آدھی رات ہوئی۔ تو حضرت نے امیر سے مخاطب ہو کر
فرمایا کہ یہ نوبت کی آواز کیا کہتی ہے (یہ اس زمانے کا شاہی دستور تھا کہ بارہ
[illegible] شاہی نوبت نقارہ بجا کرتا تھا) امیر خسرو نے جواب دیا کہ میری
سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ "نان کہ خوردی خانہ برو۔ خانہ برو۔ خانہ برو۔
[illegible] ذکر دم خانہ گرو۔ خانہ گرو۔ خانہ گرو" یعنی نقارے کے تال
[illegible] یہ آواز نکلتی ہے کہ کھانا کھا لیا اب اپنے گھر کو جاؤ۔ میں نے
[illegible] اتنا گرو نہیں رکھا ہے"۔
[illegible] سیاح نے اپنی غلطی کو محسوس کیا اور چلا گیا۔ دنیا میں ہر
[illegible] اس کی ذاتی صفات پر منحصر ہے۔ اسی طرح انسان
[illegible] ورنہ انسان اور بعض جانوروں میں

صرف دم ہی کا تو فرق ہے۔ جس قدر بھی اولیائے کرام پیغمبران اور بزرگان دین دنیا میں آئے وہ حق اور صداقت کا ایک مشن ساتھ لائے تھے خواہ اس کی تکمیل میں ان کو کیسی ہی دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن انھوں نے ثابت قدمی سے برداشت کیا اور اپنے کاموں میں عین رضائے حق کا خیال کیا۔

جو لوگ عجائب پرست ہیں وہ ان برگزیدہ ہستیوں کے کارناموں کو معجزہ کرامات اور عجائب تر باتوں کی تہ میں تلاش کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی لائف ہی بذات خود معجزہ اور کرامات سے کم نہیں ہے۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ہر پیغمبر اولیاء اللہ اسی وقت مبعوث ہوتے ہیں جب اس ملک یا قوم میں انتہا درجہ کی گمراہی، خود رائی اور فسق و فجور عام ہو۔ یا برائی اور بھلائی کا فرق مٹ جائے چنانچہ ہندوستان میں جس قدر بزرگ جس زمانے میں بھی ممالک غیر سے آئے یا وہ ہندوستان ہی کے باشندے تھے، تقریباً ہر ایک کا زمانہ اسی قسم کا تھا یعنی کفر و ظلمت کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں۔ اکثر مسلمان بادشاہوں کی یہ حالت تھی کہ نعوذ باللہ خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور دین داروں کو بے دین ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اس زمانے کے بعض سفری اور دنیوی مصلحتیں رکھنے والے مولوی بھی ان کے ہم نوا بن جاتے تھے حق بات کہنے والوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہوتی تھی۔ ان حالات میں بھی خدا کے برگزیدہ بندے صعوبتیں برداشت کر کے حالات کا مقابلہ کرتے تھے اور خدا کے باغی و سرکش منکران حق کے سروں کو جھکا دیتے تھے یہ معجزہ نہیں تو کیا تھا۔ خود سر بادشاہ دنیا میں کتنے پیدا ہو کر فنا ہو جاتے رہے۔ ان کو غیر [illegible]

[illegible] وہ عارف ربانی ہوتے ہیں، جن کو کبھی فنا نہیں ہے۔

[illegible] کہ ہے جس کا زمانہ افسوس

[illegible] آ جیے ابھی دیر میں مرنے کے لیے

[illegible] کے حالات لکھ رہا ہوں، ان کے وصال کو تقریباً سات سو سال گزر گئے لیکن ابھی تک ان کے مزارات پر زائرین اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے [illegible] میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے اخلاق ایسے وسیع تھے کہ دشمن سے بھی کبھی انتقام لینے کا جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا وہ متوکل تھے اور ان کا ہر فعل مشیتِ ایزدی کے عین مطابق ہوتا تھا اور اگر کوئی ان سے ٹکراتا تھا تو وہ منہ کی کھاتا تھا۔ ان کی حق پرستی باطل پر غالب آتی تھی۔ یہی وہ صفاتِ عالیہ ہیں جو بڑے چھوٹے امیر غریب ہندو مسلمان سب کو ان کے مزارات پر جانے کے واسطے مجبور کرتے ہیں اور انہی مزارات سے ہم اخلاقی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ آج جو اللہ والے نظر آتے ہیں وہ بھی انہی کی روحانی اور اخلاقی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

حضرت نظام المشائخ اور حضرت امیر خسرو کی لائف میں یہ تمام خوبیاں تمام موجود ہیں اور بلاشبہ حضرت نظام المشائخ ہی کا یہ فیض تھا کہ امیر خسرو [illegible] اعزاز اور منصب کے جو ان کو حاصل تھے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دے کر [illegible] گئے تھے کہ جس کی بابت وہ خود فرماتے ہیں کہ:

[illegible] میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو

[illegible] محفل بود شب جائیکہ من بودم

آپ کی علمی قابلیت کا دنیا کو اعتراف ہے اور اس کا خود ان کو اقرار ہے کہ ان کی شیریں کلامی پیر کے لعابِ دہن کی برکت تھی۔ طبیعت ایسی جدت پسند واقع ہوئی تھی کہ بایدو شاید۔ جو بات کسی کے دماغ میں نہ آتی تھی وہ آسانی سے کر گزرتے تھے۔ زبان اردو کے باوا آدم ہیں۔ الغرض زندگی کے جن اعلیٰ مقاصد کو لے کر آئے تھے ان کو کمال حسن و خوبی سے انجام کو پہنچایا اور پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائی۔

...ی شاعری پہیلیاں مکرنیاں وغیرہ

ہندوستان کی قدیم زبان کھاری تھی۔ آریہ اثرات نے اس میں برج
...اور سنسکرت کا اضافہ کیا۔ اس کے بعد تلنگی۔ مرہٹی۔ گجراتی وغیرہ صوبائی
...شامل ہوئیں اور بعدہٗ عربی، فارسی، ترکی زبانوں کے اختلاط سے زبان
...لائی۔ لیکن ہندوستان کے وسطی حصے میں مثلاً اضلاع متھرا، آگرہ بھرت پور
...میں یہی اردو برج بھاشا کہلائی جاتی ہے اور ہندی کے مشہور شاعر تلسی کبیر داس
...ان خاناں وغیرہ کے دوہے اسی زبان میں ہیں۔ اس لیے زبان اردو مشترکہ
ہے۔

...خسرو نسل کے لحاظ سے ترک تھے، پیدائش کے لحاظ سے ہندوستانی
...زبان کے لحاظ سے جتنا ذوق ان کو عربی فارسی اور ترکی زبانوں سے
...بھاشا اپنے وطن کی زبان سے زیادہ چاہتے تھے کہ اس گلدستہ
[illegible] ان سے آراستہ کیا جائے۔

[illegible] آدم اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے
[illegible] کے واسطے پہلا قدم اٹھایا اور پہیلیاں مکرنیاں دوہے

ایک ناری کا ایک ہی نر　　بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم　　منہ میٹھا تا بغیر گرم [illegible]

بال بچی کپڑے پھٹی موتی لیسے اُتار　　یہ بپتا کیسی ہے جو ننگی کر دی نار [illegible]

پہیلی ہے بین کی نہیں بتائی　　کھانے کی وہ چیز نہیں پرکھائی

کاٹ کا گھوڑا تیس سوار　　بوجھن ہارا برخور دار [illegible]

کان میں رکھ تو یہ الہام　　نیچے ٹکے اوپر نام [illegible]

ایک نار دو کونے بیٹھے　　ٹیڑھی ہو کر پل میں سرکے
جس کی بیٹی اسے سہائے　　خسرو اس کے بل بل جائے [illegible]

آدھا ری کمہار کی آدھی سب کے پاس　　جو تجھے سارا چاہیے جنگل واکے پاس [illegible]

گول کاٹ اور سندر صورت　　کالا منہ اس پر خوبصورت
جو کوئی ہماری پہیلی بوجھے　　سینا دیکھ پرونا سیکھے [illegible]

بیس برس کا لڑکا بیچ تھیلی   کتے کو پہرہ کی بی بی لاکھوں رنگ رنگیلی   [illegible]

ایک چھنکا بیتریاں چار   کیوں کر پہنچا اُن پر پیار
آنکھوں دیکھا اور تن پر بوجھ   رائی برابر ہے نہیں جھوٹ   [illegible]

بالا تھا جب سب کو بھایا   بڑا ہُوا جب کام نہ آیا
خسرو کہدو وا کا ناؤں   بوجھو نہیں تو چھوڑو گاؤں   [illegible]

اندر چلیں باہر چلیں بیچ کلیجہ دھڑکے   امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے   [illegible]

جل کر بیٹھے جل میں رہے   آنکھوں دیکھا خسرو کہے   [illegible]

ایک لڑکا گھر بنایا   اوپر نیو نیچے گھر چھایا
بانس نہ بلی بندھن گھنے   کہو خسرو گھر کیسے بنے   [illegible]

چار مہینہ بہت چلے اور آٹھ مہینہ تھوڑی   امیر خسرو یوں کہیں تو بوجھ پہیلی موری   [illegible]

[illegible] کا ناؤں   چلے پھرے وہ اپنے پاؤں   [illegible]

بن جیب باتیں بن جیواں کھاتے ۵ مارے سے تو مرے نہیں بن مارے مرجائے

گوری ہے پر سبزہ رنگ لنگڑی ہے ٹوٹی نہیں ٹنگ
ایک نام کی دو کہلائیں ایک کو چھوڑیں ایک کو کھائیں
(سفید رنگ کے گھوڑے کو سبزہ کہتے ہیں)

میں سکھی پوچھوں تجھ سے بات اندر دن اور باہر رات

چیستان فارسی

چیستان یک درخت شاخش چار میوہ ہر رنگ رنگ اردبار
سرخ سبز و سیاہ ہم زرد است پختہ را خام میکند ہشیار
درولایت نہ باشد ایں میوہ ہست در ہند ایں چنیں بسیار

چیستان مارکان دو سر دارد ہر دو سوراخ سر پدید دارد
ہر کہ بکشاید ایں معمہ را دانم از عاشقی خبر دارد

گلِ دیدم کہ او بے خار باشد نہ در صحرا نہ در گلزار باشد
نہ او را کس فروشد نے خریدار [illegible]

[illegible] زمین [illegible] نہ پیر نہ از شکم مادر نہ پشت پدر
[illegible] وہ بچے جو [illegible] آدمی

چیست آں جانور کمر بستہ یک وجود و ہزار سر دارد (جھاڑو)

آں چیست کہ [illegible] سر نہ دارد زہ تیر و دو خبر نہ دارد
وقت زندد و سر شود چوب پرد بہ ہوا و پر نہ دارد (پتنگ)

عجائب صورتے در شام دیدم اگر گویم کسے باور نہ آید
درخت بر سرش حوض پر از آب در و مارے کہ دم و سر نہ دارد (حقہ)

چیست آں گنبدے کہ در بر سر اندرونش نشست یک دختر
خون او را بہ نیزہ بر دارند تا لہ مشرق بہ مغرب اندازند (حقہ)

کہہ مکرنیاں

[illegible] ہے کہ کہنے والا ایک بات کہتا ہے اور [illegible] کے دو جواب ہوتے ہیں اور دونوں صحیح

سگری رین موہے سنگ جاگا   بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
اس کے بچھڑے پھاٹت جیا   اے سکھی ساجن نا سکھی دیا

سوپ سلونا سب گن نیکا   وا بن سب جگ لاگے پھیکا
واکے سر پر ہووے کون   اے سکھی ساجن نا سکھی لون

وہ آوے تو شادی ہووے   اس بن دوجا اور نہ بھاوے
میٹھے لاگیں واکے بول   اے سکھی ساجن نا سکھی ڈھول

اونچی اٹریا پلنگ بچھایا   میں سوئی میرے سر پر آیا
کھل گئیں انکھیاں بھئی آنند   اے سکھی ساجن نا سکھی چند

جب مانگوں جب جل بھر لاوے   میری پیاس سبھی بجھاوے
شیام برن وہ کھڑا ہے چھوٹا   اے سکھی ساجن نا سکھی لوٹا

نیلا کنٹھ اور پہرے ہرا   سیس مکٹ [illegible] کھڑا
گنا دیکھ الاپے چور   اے سکھی ساجن نا سکھی [illegible]

جس کل مجھ کو چین نہ آئے   وہ میری تو تپش [illegible]
ہے وہ سب گن بارہ بانی   اے سکھی ساجن نا سکھی [illegible]

[illegible] راتــــ ہونٹھن لاگت کرت نہ بات
جاسے موری جگ میں پت اے سکھی ساجن نا سکھی نتھ

ایک سجن مورے دل کو بھاوے جائے مجلس کھڑی سہاوے
سووت منوں اٹھو دوڑوں جاگ اے سکھی ساجن نا سکھی راگ

ایک سجن وہ کھڑا پیارا جائے گھر مورا اجیارا
بھور بھئی جب بدا میں کیا اے سکھی ساجن نا سکھی دیا

سگری رین چھتین پر راکھا رنگ رس سب واکا چاکھا
بھور بھئی تب دیا اتار اے سکھی ساجن نا سکھی ہار

باٹ چلت مورا انچرا کھینچے اپنی کہے نہ موری سنے
اس کو بات کا جھگڑا اچھا نٹا اے سکھی ساجن نا سکھی کانٹا

[illegible] گھر میں آوے واکا آنا موکو بھاوے
[illegible] لینا اے سکھی ساجن نا سکھی......

[illegible] آیا پا یا کھوٹا کھرا جن نا پرکھا یا
[illegible] اے سکھی ساجن نا سکھی.....

دوارے مورے ٹھاڑا رہے — دھوپ چھاؤں سر پر سہے
جاکو دیکھے جاوے بھوک — اے سکھی ساجن نا سکھی رودکھ

ایک سجن مورا من بھاوے — مکھ چومے اور بات بناوے
ہونٹن لاگ سبھی رس کھینچا — اے سکھی ساجن نا سکھی....

شاہان اودھ کے کتب خانے میں جو موتی محل اور توپ خانے میں تھے امیر کی دو سو چیستاں اور پہیلیاں موجود تھیں اور ایسا کلام بھی تھا جس میں فارسی آمیز غزلیں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ بھی تھیں۔ جواب ناپید ہیں۔ عام طور پر چند متفرق غزلیں اور اشعار کتابوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً:

زحال مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
ز تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں [illegible]
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آوے [illegible]
بحق روز وصال دلبر کہ داد [illegible]
سپیت من کی درائے رکھوں [illegible]

صفت بیڑۂ تنبول کہ نزد ہمہ خلق

ڈھکوسلا انمل بے جوڑ

بھادوں کی پکی پیلی چوچو پڑی کپاس بی مہترانی دال پکاؤ گی یا ننگا سو...

دوسخنے ہندی

یہ بھی عجیب ترکیب ہے جس میں دو مختلف باتیں کہی جاتی ہیں اور جوا...
دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے مثلاً :

برہمن پیاسا کیوں ۔ گدھا اداسا کیوں ________ لوٹا نہ...
گوشت کیوں نہ کھایا ۔ ڈوم کیوں نہ گایا ________ گلا نہ...
جوتا کیوں نہ پہنا ۔ سموسہ کیوں نہ کھایا ________ تلا نہ...
انار کیوں نہ چکھا ۔ وزیر کیوں نہ رکھا ________ دانا نہ...
پان سڑا کیوں ۔ گھوڑا اڑا کیوں ________ پھیرا...
کھچڑی کیوں نہ پکائی ۔ کبوتر کیوں نہ اڑائے ________ ...
پانی کیوں نہ بھرا ۔ ہار کیوں نہ پہنا ________ گھڑا...
جوگی کیوں نہ بھاگا ۔ ڈھولکی کیوں نہ باجی ________ ...
گھر کیوں اندھیارا ۔ فقیر کیوں بدارا ________ ...
پوستی کیوں بیدیا ۔ چرکیدا کیوں سیا ________ ...

کھڑی ہو جائے۔ آپ شاعرانہ مبالغہ سے کام لے کر اس کے گاڑھے ہونے کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ چھچھو کی تیار کی ہوئی بھنگ میں جینگر دکھائی دیں کھڑا ہو سکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کی وجہ سے گو چھچھو نہیں ہے مگر اس کا نام زندہ ہے۔

محبوب الٰہی کی شان میں جو نظم آپ نے کہی تھی وہ ایسی مقبول ہوئی ہے کہ قوالی میں آج بھی مزارات پر شروع میں گائی جاتی ہے۔ اس گانے کو رنگ کہتے ہیں ؎

آج رنگ ہے اے ماں رنگ ہے
ایسو پیر پائیو نجام الدین اولیا
جگ اجیارو میں تو ایسو رنگ اور نہیں دیکھو ری
دیس بدیس میں تو ڈھونڈ پھری ہوں
تورا رنگ نہیں پائیو رے نجام الدین اولیاؔ
آج رنگ ہے

چھاپ تلک سب چھینی رے مو سے نیناں ملا کے
نیناں ملا کے سینا لڑا کے اپنی سی کر لینی رے مو سے نیناں ملا کے
پریم بھٹی کا مدھوا پلا کر متوالی کر لینی رے مو سے نیناں ملا کے
بل بل جاؤں میں تورے رنگ رجوا۔ اپنی سی رنگ لینی رے مو سے نیناں ملا کے
خسرو نجام کے بل بل جاؤں مو سے سہاگن کینی رے
مو سے نیناں ملا کے

[illegible] عشق مرد کی طرف سے ہوتا ہے اور ہندی شاعری
[illegible] ہے۔ امیر خسرو نے بھی ہندی اور فارسی میں اسی رواج کو ملحوظ
[illegible] اور تصوف کا رنگ میں بھی یہ طریقہ بے حد موثر اور دل آویز ہے تصوف
میں محبت کا دلچسپ فلسفہ ہے۔ اکبر الہ آبادی نے چند مختصر الفاظ میں اس کی
[illegible]ت اسی طرح پر کی ہے

قطعہ

پوچھے اگر کوئی تصنیف کیا۔ کہدو اکبر کہ لفظ بے معنی
پوچھے اگر کوئی شریعت کیا۔ کہدو اکبر کہ لفظ با معنی
پوچھے کوئی اگر تصوف کیا۔ کہدو کہ معنیٰ بے لفظ

ذیل کے ہندی اشعار کو امیر نے بروا راگ میں موزوں کیا ہے

جو پیا آون کہہ گئے اجہو نہ آوے سوامی ہو
اجہو جو پیا آون کہہ گئے
آون آون کہہ گئے آئے نہ بارہ ماس
خسرو ایسے پیا بن تس دن رہوں اداس
اجہو جو پیا آون کہہ گئے

ساونی

[illegible] سے [illegible] ساونی ملہار وغیرہ گیتوں کی بنیاد

زمانے والوں نے بھی اُن کو معتبر خیال کیا ہو. کیونکہ غیر معتبر خیال کی جا سکتی ہیں تصرف اور تحریف تو ممکن ہے. لیکن یکسر باطل ہونا غالباً صحیح نہیں ہے.

الغرض امیر کی توجہ دنیا کے کسی پہلو سے ناآشنا نہ تھی جب علوم اور فنون میں کمال حاصل کر لیا تو میدان سخن وری میں طبیعت کی جولانی دکھلانی شروع کی۔ اور عمر کے ساتھ ان کا افق علم ومعرفت وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ زمانے کے سرد گرم دیکھے. خوشی اور غم دونوں کی حقیقت معلوم کی. در اصل امیر نے اپنے نانا عماد الملک کی زندگی ہی میں جو بڑے پایہ کے شخص تھے۔ کافی شہرت حاصل کر لی تھی اور قدر دانی کے لحاظ سے وہ زمانہ بھی ایسا ہی تھا کہ جوہر شناس جوہری موجود تھے. جب ہمارے نوجوان شاعر کا دل مسرتوں سے لبریز تھا تو انھیں اپنی زندگی کے دوسرے دور سے واسطہ پڑا یعنی ۶۷۱ھ میں ان کے نانا عماد الملک بھی ایک سو تیرہ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے. امیر نے اپنی اس طویل عمر کے ستر سال بادشاہوں اور ملک کی خدمت میں گزارے اور اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کو بے مثل دیانت داری اور قابلیت سے انجام دیتے رہے. اس صدمہ نے امیر خسرو کے دل میں باپ کا غم تازہ کر دیا. نانا کے انتقال کا انھوں نے نہایت موثر اور پر درد مرثیہ کہا ہے جو دیوان تحفۃ الصغر میں موجود ہے۔

باب

فارسی شاعری

دیگر کمالات کے علاوہ اگر صرف شاعری کے پہلو پر غور کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے۔ فارسی میں فردوسی، انوری، حافظ، عرفی، نظیری بلاشبہ اقلیم سخن کے بادشاہ تھے۔ لیکن بقول شبلی۔ ان کی حکومت ایک اقلیم سے آگے نہ بڑھ سکی۔ یعنی فردوسی مثنوی کے استاد تھے۔ سعدی نے قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ انوری نے مثنوی اور غزل کو چھوا تک نہیں۔ عرفی، نظیری اور حافظ غزل کے دائرے سے باہر نہ جاسکے۔ لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل۔ مثنوی قصیدہ۔ رباعی سب ہی داخل ہیں اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین، مستزاد، صنائع اور بدائع کا تو شمار ہی نہیں۔

اگر تعداد دیکھی جائے تو اس خصوصیت میں بھی کسی کو ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ فردوسی کے اشعار کی تعداد کم و بیش ستر ہزار ہے۔ صائب کی ایک لاکھ سے زائد ہے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ تذکرۂ عرفات میں اوحدی نے لکھا ہے کہ امیر خسرو کا کلام جس قدر فارسی میں ہے اتنا ہی تقریباً برج بھاشا [illegible] [illegible] اس مجموعہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے یہی

معشوق سے خطاب کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور دینداروں کے شہر میں تم [illegible]
بے محابہ نہ آنا چاہیئے۔ گویا معشوق کی فتنہ انگیزی اس قدر زیادتی پر ہے کہ دیندار [illegible]
کے تقوٰی اور زہد شکنی کا بھی خیال نہیں کرتا ؎

بتِ تقوٰی شکن خود ایں چہ آخر نمی دانی
کہ در شہرِ مسلمانان نہ آید ایں چنیں آمد

دوسرے معاملہ کی بات سنیئے۔ معشوق سے کہتے ہیں کہ میں اگر رات کو تیرے منہ پر منہ
رکھ دوں تو اپنے آپ کو سوتا ہوا بنا لینا۔ یہ نہ کہنا کہ ارے یہ کس کا منہ ہے ؎

جاناں اگر شبیست، دہن بر دہن نہم
خود را بخواب ساز مگو کیں دہان کیست

ایک شعر میں کہتے ہیں کہ تم نے بہت سے دل لیے ہیں۔ خوب غور سے دیکھ
جو سب سے زیادہ زخمی ہو وہی میرا دل ہے ؎

دل بسے بردی نکو بشناس
انکہ مجروح تر از آں من است

ایک شعر میں کہتے ہیں کہ چاند بلندی پر اور اندھیری رات میں نہیں چڑھ سکے
جب تک کہ تیری زلفوں کی سیڑھی نہ لگا سکے۔

آنسو کی جھڑی کو سب نے بارش سے تشبیہ دی ہے لیکن یہ بالکل [illegible]
اسلوب ہے کہ تیرے جانے کے وقت مجھے رونا آتا ہے اس لیے ابھی نہ [illegible]
اور بارش رک جانے دے۔" اس خیال میں یہ لطافت ہے کہ معشوق کے [illegible]
پر میں روتا ہوں اور بارش ہونے لگتی ہے۔ بارش میں معشوق جا نہیں [illegible]

[illegible] کو اپنا الاؤ ترک کرنا پڑتا ہے

امیر نے صنعت لفظی کی بھی ایجاد کی ہے مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ جس میں ایسی عبارت لکھی ہے کہ الفاظ کے ردو بدل سے دو مختلف زبانوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اس ترکیب کا نام امیر نے "دو رُو" رکھا ہے اور اس صنعت میں کئی صفحے لکھے ہیں ؎

رسیدی بدیدی مرا وی نجاتے
زمانے بیاشی بیاری لبتانے

اس شعر کو اگر فارسی میں پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "کل تو آیا اور ایک مکان میں تو نے مجھ کو دیکھا۔ ایک ذرا ٹھہر جا تو تو دوستی کے قابل ہو جائے گا۔ لیکن اگر اسی کو عربی میں پڑھا جائے تو یہ معنی ہوں گے" تو میرا ہدایت یافتہ ہے بے نظیر ہے۔ میری مراد ہے۔ میری نجات ہے۔ مجھ کو اس بات نے ناامید کیا ہے کہ میری عورتیں باہم لڑتی ہیں۔

ہر شخص کی شاعری اس کے پرواز تخیل کا آئینہ ہوتی ہے۔ امیر کی جدت پسند طبیعت ان فرسودہ خیالات سے اجتناب کرتی تھی جو شعرائے متقدمین کا [illegible] اعادہ [illegible] ہے۔

[illegible] میں۔ اس میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو زبانِ فارسی [illegible] میں [illegible] الٹا پڑھیں تو عربی عبارت بن جائے گی مثلاً

[illegible] کامرانی در جہان باش
[illegible] بکام دشادمانی

بیل تن شاہی و بسیار ست بار ث بر حریر
زاں مرنج ابری و باغ گوییت بسیار بار

کتاب مراۃ الخیال میں جو فارسی میں ہے۔ اس شعر کی تشریح کے واسطے ا
عبارت کو بجنسہٖ نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہوں تاکہ لطافت الفاظ قا
رہے اور مفہوم آسان ہو جائے۔

" در لفظ بار کہ آخر است ہفت معنی ظاہر می گردد "

(۱) پیل تنی از آں مرنج اگر گوییت بسیار بار۔ یعنی گراں باری با
بسیار است۔

(۲) تو شاہی ازاں مرنج اگر گوییت بسیار بار۔ چہ بار دادن بادشا
عبارت از جلوس فرمودن است۔ بر سریر سلطنت و خود را بخاص و عام نمودن
(۳) تو شاہی مرنج اگر گوییت بسیار بار یعنی بسیار نیکو کار چہ بار، در لغت
نیک کردار است۔

(۴) تو شاہی ازاں مرنج اگر گوییت بسیار بار [illegible]
(۵) تو ابری ازیں مرنج اگر گوییت بسیار بار یعنی بسیار ببار۔
(۶) اے باغ ازیں مرنج اگر ترا گویم بسیار بار یعنی بسیار میوہ آ[illegible]
ایں بیت امیر را تا امروز [illegible] جواب [illegible]
اس کے علاوہ ذیل کی دو بیت امیر کی [illegible]
باغمت خوش بودم [illegible]
یاد می کردم از آں [illegible]

عہد کے مشہور جہرکن ملا علی احمد نے قوالوں سے خسرو کی غزل کا یہ شعر سنا اور جان پرواز کر گئی ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر طرف کج کلاہے

بہرحال انہی لفظی اور معنوی خوبیوں کی بناء پر خسرو کی غزلوں کی جلد شہرت ہو گئی۔
جامی بہارستان میں لکھتے ہیں کہ خسرو کی غزلیں ان خیالات اور تصورات کی آئینہ دار ہیں جن کی عاشقانِ صادق اور خداپرست اپنے اپنے مذاق کے مطابق تاویل کرتے ہیں عام طور پر مقبول ہیں۔ اس سلسلہ میں اس کا اعادہ بے جا نہ ہوگا کہ مرزا بایسنغر کے زمانے میں بھی خسرو کے کلام کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا کام ایک شاعر سیفی کی سپرد کیا گیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ یہ انتخاب اسی زمانے کا ہو جس کی چند چیدہ چیدہ غزلیات یہ ہیں۔

غزل

اے چہرہ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیباتری

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوب تر
شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری

تو از پری چابک تری از برگ گل نازک تری
وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری

آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

عالم ہمہ یغمائے تو خلقے جہاں شیدائے تو
اے نرگسِ رعنائے تو آوردہ رسم کافری

اے سحت و آرام جاں با قدِ تو سرِ روان
زیباں مردمان کساں [illegible]

[illegible] صبا اگر دی — جان و دل ما بردی اینست رسم دلبری

[illegible] — یا نقش کش خوان چنین یا ترک کن صورتگری

[illegible] — تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

خسرو غریب است و گدا افتاده در شهر شما

باشد که از بهر خدا سوی غریبان بنگری

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا — چون کنم دل به چنین وقت ز دلدار جدا

ابر باران و من و یار ستاده به وداع — من جدا گریه کنان ابر جدا یار جدا

سبزه نوخیز و هوا خرم و بستان سرسبز — بلبل روی سیه مانده ز گلزار جدا

ای مرا در ته هر بند ز زلفت بندی — چه کنی بند ز بندم همه یکبار جدا

دیده از بهر تو خونبار شد ای مردم چشم — مردمی کن مشو از دیده خونبار جدا

نعمت دیده نخواهم که بماند پس ازین — مانده چون دیده ازان نعمت دیدار جدا

دیده صد رخنه شد از بهر تو خاکی ز رهت — زود برگیر و بکن رخنه دیوار جدا

می دهم جان مرو از من وگرت باور نیست — پیش ازان خواهی تو بستان و نگهدار جدا

حسن تو دیر نماند چو ز خسرو رفتی

گل بسی دیر نماند چو شد از خار جدا

[illegible] — مژه را کشاده دادن در فتنه باز کردن

[illegible] — نه خوران حدیث عشقت نفسی مجاز کردن

[illegible]

ہمہ خواب مردمان شد بدو دیدہ تیغ یارب | ز کجاست گشت شیریں حکایت ناز کردن

چہ خوش است با تو خلوت کہ دہد سرشک خونی | ز خراش دل گواہی و زبان دراز کردن

تو بہ خسپ خوش کہ مارا ز غمش چو شمع سوزاں | ہمہ رفت زندہ بودن ہمہ شب گداز کردن

ز جفات دل نہادم مکن انچہ می توانی | چہ کنم نہ می توانم ز تو احتراز کردن

بہ ہوس فدا کنم جاں بدرت کہ نیست عاری | بہ سر سبکتگین را بہ ہوس ایاز کردن

صف عاشقان مست اینجا مدہ اے فقیہ انگشت | کہ بہ شہرت پرستاں نتواں نماز کردن

چہ بود متاع خسرو کہ کند نثار جاناں
مگسے چہ طمع راند بدہانِ باز کردن

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست | ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب | درد مندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

ابر را با دیدۂ گریاں من نسبت مکن | نسبتے باراندکے بارد دل خونبار نیست

شاد باش اے دل کہ فردا بر سر بازارِ عشق | مژدۂ قتل است گرچہ وعدۂ دیدار نیست

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی میکند
آرے آرے میکنم با خلق عالم کار نیست

گفتم کہ روشن از قمر گفتا کہ رخسار منست | گفتم کہ شیریں از شکر گفتا کہ گفتار منست

گفتم طریق عاشقاں گفتا کہ در ہجر من | گفتم ملاق زندگی گفتا کہ [illegible]

گفتم بہارے با خزاں گفتا کہ رشک حسن من | گفتم کہ مجالت کجاست [illegible]

کجا بودی اے اخترِ نیک فال ❊ کرم کردی و آفتاب آمدی
بدل بردنم آمدی عیب نیست ❊ که مستی بہ بوئے کباب آمدی
چو جستند در گریہ من عیب ❊ تو بودی کہ بر روئے کار آمدی
زحیرت بخوابِ اجل می روم ❊ کہ پنداریں تا بخواب آمدی
شبِ داشتم تیرہ از روز بد
شبم خوش کہ چوں ماہتاب آمدی

بخوبی ہمچو مے تابندہ باشی ❊ بملک دلبری پایندہ باشی
من درویش را کشتی بہ غمزہ ❊ کرم کردی الٰہی زندہ باشی
جفا کم کن کہ فردا روزِ محشر ❊ بروئے عاشقاں شرمندہ باشی
زقید دو جہاں آزاد باشم ❊ اگر تو ہم نشین بر بستہ باشی
بہ رندی و بشوخی ہمچو خسرو
ہزاراں خانماں بر کندہ باشی

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم ❊ بہر سو رقص بسمل بود شب جائیکہ من بودم
پری پیکر نگار سرو قدے لالہ رخسارے ❊ سراپا آفت دل بود شب جائیکہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز من ترساں ❊ سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

[illegible]

[illegible] هشیار بودن ... نه در عشق خوباں چست بودن
[illegible] پاسبان خلق ہست ... خطا باشد که باشد پاسبان مست

بادشاہوں کو آپ نصیحت فرماتے ہیں کہ ان کو شراب کے نشہ میں مست نہ ہونا چاہیے اور عشق کی خوبیوں کی طرف مائل ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ مخلوق کا چوکیدار ہے پاسبان اگر مست ہو جائے تو حفاظت کون کرے۔

ایک روز دھنیا (روئی دھننے والا) کی دوکان کے سامنے سے امیر [illegible] تھے۔ ہمراہی نے آپ سے پوچھا کہ جس دھنئے کو دیکھو ایک ہی انداز پر روئی دھنتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر استاد نے سکھلایا ہے تو یہ کمال ہے کہ حرکت اور تال سب کی یکساں ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس تال کو الفاظ میں کیونکر لایا جا سکتا ہے۔

[illegible]

[illegible] ایں ہم رفت آں ہم رفت
[illegible] ایں ہم ال ہم رفتہ ال ہم ایں ہم رفت
[illegible] رفتن رفتن دہ
[illegible] دو رفت ہفت رفتن رفتن دہ

امیرؔ کے زمانے کے بعض شعرائے عظام

امیر حسن سنجری دہلوی

امیر خسروؔ کے ہم عصر اور خاص احباب میں سے تھے۔ بادشاہوں کے ساتھ اکثر لڑائیوں میں رہے۔ اصلی نام نجم الدین تخلص حسنؔ اور سادات عظام دہلی سے تھے۔ اصلی وطن اور جائے پیدائش ضلع بدایوں کی تھی۔ لیکن ساری عمر دہلی میں گذری۔ ان کا شعر ہے ؎

پروردہ فضل ایزدش ارشاد غیبی مرشدش
بودہ بدایوں مولدش دہلی ست منشا داشتہ

خسروؔ سے ملاقات کی ابتدا کے بارے میں تذکرہ جبراۃ الخیال (فارسی) میں بحوالہ نجم الدین علا سنجری تاریخ ہند کے حوالہ سے اس طرح پر تحریر ہے کہ ایک روز امیر خسروؔ مع دیگر چند ہمراہی بازار سے گذرے۔ خواجہ حسنؔ اس وقت نانبائی کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسنؔ خوبی ظاہری اور باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ امیر نے ان کو دیکھا تو ان میں قابلیت سلوک پائی۔ قریب آن کر سوال کیا کہ میاں نان پاؤ کس حساب سے فروخت کرتے ہو۔ جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ میں نانبائی نہیں ہوں۔ لیکن ازراہِ ظرافت انھوں نے جواب دیا کہ میں نان کو ترازو کے پلہ میں رکھ دیتا ہوں اور خریدار سے کہتا ہوں کہ دوسرے پلہ میں اس کی برابر سونا رکھو جب وزن دونوں کا برابر ہو جاتا ہے تو خریدار کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ امیر نے پوچھا کہ اگر خریدار مفلس ہو؟ حسنؔ نے جواب دیا کہ میں ایسے خریدار سے درد اور نیاز کی فرمائش کرتا ہوں۔ وہی اس کی قیمت ہوتی ہے۔ یہ جواب سن کر امیر کو تعجب ہوا

[illegible] سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن حسن نے جو جال [illegible] تھا۔ اس میں وہ خود ہی پھنس کر رہ گئے۔ بالآخر کچھ [illegible] بعد خود حسن بھی خسرو سے آن کر ملے اور تائب ہوئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مردانِ خدا کی نظر بے اثر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حسن کہتے ہیں ؎

آنرا کہ بدانیم کہ او قابلِ عشق است
رمزے بنمائیم و دلش را بہ ربائیم

حضرت امیر خسرو اور حسن دونوں میدانِ سخن وری میں توام تھے۔ امیر سے ملاقات ہونے کے بعد علوم اور کمال کی تحصیل اور تکمیل میں مصروف ہو گئے اور تھوڑی ہی مدت میں قابلیت علمی کے علاوہ اخلاق، عادات، اوضاع، اطوار اور دیگر اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے متصف ہوئے۔

مار ہروی نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے محمد تغلق کے عہد تک ہر بادشاہ کی ملازمت اور مصاحبت میں رہے اور سب ہی نے ان کی قدر و منزلت کی اور اعزاز اکرام سے سرفراز فرمایا۔ ملا قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت کے واسطے پرانی دہلی تشریف لے گئے۔ جب حضرت کی زیارت سے فارغ ہو کر تالاب شمسی کے کنارے پہنچے تو اس مقام پر [illegible] حسن اس وقت پچاس سال سے زیادہ تھا اور حضرت سلطان المشائخ [illegible] ارادت رکھتے تھے مع چند ظرف والوں کے مے نوشی میں مصروف [illegible] دیکھا آپ کے روبرو آئے اور آپ نے یہ اشعار پڑھے

فیضی نے اس غزل کے تتبع میں جو غزل اس موقع پر کہی تھی اس کا مطلع اور مقطع یہ ہے ؎

صبح کے ترک است من شیشہ کشادمی دہد   عقل بخاک میدہد صبر بباد می دہد
فیضی نامراد من از غم دہر غم مخور   زانکہ مراد اہل دل شاہ مراد می دہد

اس فاضل باکمال کی تصنیف تالیف میں سوائے فوائد الفوائد کے اور کوئی بھی یادگار باقی نہیں۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ اور ناپید تھا لیکن تمکین کاظمی صاحب سلطان شاہی حیدر آباد دکن نے مجھے لکھا ہے کہ تقریباً ۱۹۴۰ء میں مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم دکن نے مسعود علی محوی کے ذریعہ سے ان کے دیوان کو حیدر آباد میں طبع کرایا ہے۔ فوائد الفوائد میں حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات ۳ ماہِ شعبان ۷۰۷ھ لغایت ۱۱ شعبان ۷۲۲ھ جمع کیے ہیں اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

صاحبِ امیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ امیر فرمایا کرتے تھے کہ کاش فوائد الفوائد مجھ سے منسوب ہوتی۔ اور میری تمام تصانیف امیر حسن کے نام ہوتیں۔ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امیر حسن شعر گوئی میں امیر خسرو کا اتباع کرتے تھے۔ ان کا کلام بہت شیریں ہے۔ ۹۵۷ھ میں ان کا دیوان مقبول خلائق تھا حسن خود فرماتے ہیں ؎

حسن گلی ز گلستان سعدی آورد ست
کہ اہلِ معنی گلچین آں گلستانند

یعنی حسن یہ پھول سعدی کے ہی باغ سے توڑ لایا ہے اور وہی اس گلشن کے ...

[illegible] اور مطالب خوب سمجھتے ہوں گے۔ اپنے اور امیر خسرو کے
[illegible] فرماتے ہیں کہ خسرو اپنے کرم اور عنایت سے میرے کلام کی قدر کرتے
[illegible] میرا کلام خسرو جیسا نہیں ہے۔ لیکن چونکہ وہ میرا لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس
[illegible] پسند ہے —

خسرو از راہ کرم بپذیرد — انچہ من بندہ حسن گویم
سخنم چوں سخن خسرو یک نیست — سخن اینست کہ من می گویم

[illegible] سعید احمد مارہروی نے مختلف تذکروں سے امیر حسن کا تھوڑا سا کلام انتخاب
[illegible] کے پیش کیا ہے۔

غزل

ساقیا می دہ کہ ابر خاست از ساغر سفید — بہر را سر سبز شد صد برگ را چادر سفید
بادہ در جام بلوریں دہ مرا گرمی دہی — خواب می آرد شراب لعل در ساغر سفید
[illegible] چوں چشم زلیخا بہر یوسف ژالہ بار — تر الہا چوں دیدۂ یعقوب پیغمبر سفید
[illegible] ت خار را گفتم کہ ایں پردہ چہ بود — گفت مہمان عزیز آید کہ کردم در سفید

اے حسن اغیار را ہرگز نہ باشد طبع راست
راست است ایں زاغ را ہرگز نہ باشد پر سفید

غزل

[illegible] بہ گلستان دگر — موسئے دگر باشد و بستانِ دگر

یار چہ سخت است کہ دل کافر است   سخت دگر باشد و سندان دگر
از تپ عشقت جگرم پختہ شد   پختہ دگر باشد و بریان دگر
غمزہ خونخوار تو خونم بریخت   غمزہ دگر باشد و پیکان دگر
گفت اگر عاشقِ ما ئی بمہر   عشق دگر باشد و قربان دگر

چشمِ حسن بین و دلا موج زن
موج دگر باشد و طوفان دگر

رُباعی

یک حرف تو جل صباح عالم را نور   یک حرف تو ہشت جلد را مایہ جو
حرفِ سین چہل دسے را دستور   زاں چار چار رکن عالم ...

ملک سعید الدین منطقی

یہ شخص سلطان جلال الدین خلجی کے مصاحبوں میں سے تھا۔ ابتدائی زمانہ قلندری میں بسر ہُوا۔ بادشاہ نے جامۂ قلندری سے نکال کر امیر کبیر بنا دیا تھا اپنے حسد کے باعث اپنے کلام کو امیر خسروؒ کے کلام پر ترجیح دیتا تھا۔ افسوس اس کا کلام اب ناپید ہے۔

عبیداللہ

غیاث الدین تغلق کے زمانے میں یہ صاحب ایران ...

غزل

رسد بہ یستیٔ رویت جمال و مہ بکمال — بروز نکہت بویت صبا خبر بشمال

زند بہ تیر نظر غمزہ ات نشانہ مہر — کشد بگوشہ چشم ابرویت کمان ہلال

توئی کہ آب حیات از لبت بود سائل — خوشا کسے کہ کند با لبت جواب سوال

حرام گشتہ بغیر از عبید در عشقت — بشاعراں تخیل نماے سحر ہلال

قاضی مغیث ہانسوی

سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں یہ عالم اور فاضل شمار ہوتے تھے انہوں نے ایک ایسی غزل لکھی تھی کہ جو انیس ۱۹ بحروں میں پڑھی جاتی تھی اس کا مطلع یہ ہے ؎

دو در گوش و قد خوش دو خد خوب و خط تر

قمری تو قمری پری و پرے و با کرد فر

اس کے علاوہ امیر خسرو کے ہمعصر اور بھی اکثر شاعر تھے مثلاً تاج الدین [illegible] موید جرجامی۔ موید دیوانہ۔ امیر ارسلان کلامی اور اختیار الدین وغیرہ لیکن آفتاب اور چراغ کی روشنی میں جو فرق ہوتا ہے وہی امیر خسرو اور ان لوگوں کے کلام میں تھا اسی وجہ سے نہ ان کو فروغ حاصل تھا اور نہ ان کا کلام [illegible] کے دیگر شعرا کے حالات اور ناموں سے مورخ اور تذکرے [illegible] خاموش ہیں۔

باب ۶

تصانیف امیر خسرو

امیر کے حالات کے سلسلہ میں جو اہمیت دیگر واقعات کو حاصل ہے ان میں سب سے زیادہ امیر کی تصانیف ہیں۔ جو تصانیف ان کی ناپید ہیں وہ تو زمانہ اپنے ساتھ لے گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب ان کی تصانیف کا کس قدر حصہ موجود ہے اور کہاں ہے؟

تصانیف کا صحیح اندازہ لگانا تو مشکل ہے۔ کیونکہ مختلف تذکرہ نویسوں نے مختلف طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً امیر کا ہم عصر مؤرخ برنی صرف یہ کہتا ہے کہ ان کی تصانیف اتنی تھیں کہ ان سے ایک کتب خانہ بن سکتا تھا۔ سیر الاولیاء کے مصنف نے بھی یہی لکھا ہے۔ جامی صرف یہی لکھتے ہیں کہ ان کی تصانیف کافی تھیں اور ان کے اندازہ کے مطابق ننانوے تھیں۔ ایک اور مصنف امین رازی نے اس تعداد میں اور اضافہ کر کے ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ بتلائی ہے۔

ان بیانات کو پیش نظر رکھ کر نواب محمد اسحٰق خان مرحوم رئیس [illegible] حسین بلگرامی عماد الملک کے مشورہ سے ۱۹۱۵ء میں

امیر خسرو کی تصانیف کی تلاش پر مامور کیا تھا اور یہ خیال تھا کہ ان کی جس قدر کتابیں دستیاب ہو سکیں ان کو جمع کیا جائے اور تصحیح اور ترتیب کے ساتھ شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کی غرض سے نواب مرحوم نے یورپ [illegible] اور ہندوستان کے کتب خانوں کی فہرست کو مطالعہ کیا اور ہندوستان بھر میں اشتہارات کے ذریعہ سے پتہ لگانے کی کوشش کی لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود انھیں صرف مندرجہ ذیل کتابوں کے [illegible] ملے۔

تحفۃ الصغر۔ وسط الحیات۔ دیباچہ غرۃ الکمال۔ دیوان غرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ۔ مطلع الانوار۔ شیریں و خسرو۔ مجنوں و لیلےٰ۔ ہشت بہشت۔ مجموعہ مثنویات۔ آئینہ سکندری۔ قران السعدین۔ خضر خان یا عشقیہ۔ نہ سپہر۔ مفتاح الفتوح۔ مجموعہ رباعیات۔ کلیات۔ قصیدہ امیر خسرو مشتمل بر داستان۔ شاہنامہ۔ اعجاز خسروی۔ انشائے خسرو۔ احوال امیر خسرو۔ نہایت الکمال۔ خزائن الفتوح۔ نصاب بدیع العجائب۔ نصاب مثلث۔ افضل الفوائد۔ خالق باری۔ قصہ چہار درویش۔ باز نامہ۔ فرس نامہ یا اسپ نامہ۔ بحر البحیر۔ مراۃ الصفا۔ [illegible] رباعیات۔ تغلق نامہ۔ تاج الفتوح۔ تاریخ دہلی [illegible] حالات کنھیا و کرشن۔ مکتوبات امیر خسرو۔ [illegible] اداحت المجنبین۔ رسالہ ابیات بحث خسرو و جامی [illegible] ہندی۔ مناجات خسرو۔

ان کتابوں کی فہرست [illegible]

نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل ۱۸۶۰ء میں اس کتاب کے بطور نمونہ چند تمثیلیں تحریر کی ہیں۔ جس زمانے کا حال اس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے اس کی مثال بجنسہٖ ان گیتوں کی ہے جو ٹینی سن کی کتاب نیبیلز کے مجموعے کے زمانے میں لکھے گئے ہیں اور کہیں کہیں کتاب میں جدت کا ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔
چونکہ خسرو ان معرکوں میں خود شریک رہے ہیں اس وجہ سے نظم رزم کی غزلیات نہایت پُرلطف ہیں۔

یہ مثنوی صرف تین ماہ کے عرصہ میں یعنی رمضان ۶۸۸ھ مطابق ۱۲۸۹ء میں منظوم کی ہے۔ اس میں تین ہزار نو سو چوالیس اشعار ہیں بطورِ نمونہ چند شعر یہاں [illegible]

دہلی کی تعریف

حضرت دہلی کنفِ دین و داد — جنت عدن است کہ آباد باد
ہست چو ذاتِ ارم اندر صفات — حرسہا اللہ عن الحادثات
نام بلندش رہِ بالا گرفت — تا بختن غیرت بیضا گرفت
گر شنود قصۂ ایں بوستاں — مکہ شود طائفِ ہندوستاں

مطلع الانوار، شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں، آئینۂ سکندری، ہشت بہشت
پنج گنج خسرو، یہ سب امیر خسرو کی مثنویاں ہیں۔
شیخ نظامی گنجوی نے [illegible]
پانچ سو مثنویاں لکھی ہیں اور [illegible]

[illegible] میں مرتب کیا تھا۔ ایک خمسہ مولانا نظامی کا ۵۹۰ھ مطابق [illegible] میں مکمل ہوا تھا جو مشہور اور مقبول خلائق ہوا۔ اس کے بعد تقریباً سو سال تک کسی نامی شاعر کی ہمت نہ ہوئی کہ اس کے جواب میں قلم اٹھاتا۔ حضرت امیر نے سب سے پہلے قلم اٹھایا اور تین سال کے عرصہ میں یعنی ۷۰۱ھ مطابق [illegible] میں اس کے جواب میں اپنا پنج گنج ختم کر کے اس کو سلطان علاؤالدین خلجی کے نام سے موسوم کیا۔ امیر نے خمسہ نظامی کے جواب میں اپنے پنج گنج کو اس طرح پر ترتیب دیا ہے

مخزن الاسرار کے جواب میں ——————— مطلع انوار

خسرو شیریں کے جواب میں ——————— شیریں خسرو

لیلےٰ مجنوں کے جواب میں ——————— لیلےٰ مجنوں

ہفت پیکر کے جواب میں ——————— ہشت بہشت

سکندر نامہ کے جواب میں ——————— آئینہ سکندری

حضرت امیر ہشت بہشت میں فرماتے ہیں:

بردی از دل تو جہد [illegible] آر ‫ ‫ رو شناسی ز مطلع الانوار

کردی آنگاہ انشا تمام ‫ ‫ شہر شیریں و خسرو اندر جام

باز در عالم خرد مندی ‫ ‫ شور لیلےٰ و مجنوں افگندی

پس [illegible] پرده [illegible] ‫ ‫ شرح راز سکندری کردی

[illegible] ‫ ‫ [illegible] نگاری صحیفہ پنجم

[illegible] یہ شعر پڑھ کر فرماتے ہیں کہ امیر کے خمسہ پنج گنج

میں انتیس ہزار ۲۹۰۰۰ اور خمسہ مولانا نظامی میں اکیس ہزار ۲۱۰۰۰ اشعار ہیں

مطلع الانوار

اس میں حضرت امیر نے اخلاق اور تصوف کے خزانے میں شریعت ، طریقت اور حقیقت کے نادر اور نایاب نورانی گوہر اس خوش نمائی سے سیلائے ہیں کہ اگر اس کو مطلع انوار الٰہی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ گویا یہ کتاب معجزہ خسروی ہے۔ اس کو اس جادو نگار نے صرف چودہ دن کی قلیل مدت میں تمام کرکے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں بیس مقالے اور تین ہزار تین سو بیس اشعار ہیں۔ اگر یہ مدت صحیح ہے تو حیرت انگیز ہے
امیر علی کاتب ہری جو نستعلیق کے امام سوم کہلاتے ہیں ان کی لکھی ہوئی یہ کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

قطعہ تاریخ

سال کہ از چرخ کہن گشت بود ۔۔۔ از پس شش صد و نود و ہشت بود
چرخ کہ خورشید جو ابش نوشت ۔۔۔ مطلع انوار خطابش نوشت

مثنوی خسرو شیریں

یہ کتاب معدوم ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی [illegible]
کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ ایسی مثنوی [illegible]

لیلےٰ مجنوں

یہ منظوم مشہور قصے ہیں دو ہزار چھ سو ساٹھ اشعار ہیں اور ہر شعر میں کلام کی پختگی ہے جو ۶۹۸ھ مطابق ۱۰۹۸ء میں مکمل ہو گئی تھی [illegible] بھی چھپ چکی ہے۔ البتہ آئینہ سکندری یا سکندر نامہ یہ کتاب نایاب ہے

ہشت بہشت

پنج گنج کا پانچواں اور آخری حصہ ہشت بہشت ہے۔ اس میں اخلاق، پند و نصیحت کے نادر اور نایاب نکات موجود ہیں جو بہرام گور شاہ ایران کے حسن معاشرت، عیش و عشرت، عشق و محبت کے دلچسپ حالات [illegible] کے پیرایہ میں نہایت سادہ اور سلیس زبان میں بیان کیے گئے ہیں [illegible] ہزار تین سو پچاس اشعار ہیں جو ۷۰۱ھ مطابق ۱۳۰۱ء کی تصنیف ہے

خضر نامہ

خضر خان سلطان علاء الدین خلجی کا بڑا بیٹا تھا اور دول دیوی [illegible] راجہ گجرات کی بیٹی تھی۔ خضر خان امیر خسرو کا

پسر بھائی تھا۔ اس نے امیر سے اپنے عشق کے قصے کو نظم کرنے کی فرمائش کی۔ اس میں لکھا ہے کہ جس وقت دول دیوی گجرات سے اپنی ماں کنول دیوی کے پاس آئی اس وقت اس کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ بادشاہ خضر خان سے اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کملا دیوی نے بھی جو بادشاہ کے حرم میں تھی اس رائے سے اتفاق کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ خضر خان کو اس وجہ سے چاہتی تھی کہ وہ اس کے بھائی کا ہم شکل تھا۔ نو عمری میں یہ دونوں ساتھ کھیلا کرتے تھے اسی وجہ سے دونوں میں محبت تھی۔ لیکن خضر خان کی ماں اس وجہ سے اس رشتہ کو ناپسند کرتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی اپنے بھائی الپ خان کی لڑکی سے کرنا چاہتی تھی۔ وہ عشق و محبت کے پینگ بڑھتے ہوئے دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور بادشاہ سے کہہ کر دونوں کو جدا کرا دیا اور باوجود مخالفت کے الپ خان کی لڑکی سے شادی کر دی۔ لیکن عشق کی آگ بھڑکتی رہی۔ تب مجبور ہو کر بادشاہ نے شہزادے کا نکاح دول دیوی سے بھی کر دیا لیکن اس کے بعد بادشاہ خضر خان سے ناراض ہو گیا اور اس کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ خاوند کی سب مصیبتوں میں دول دیوی اس کے ساتھ رہی ۔۔۔ ۷۱۸ھ مطابق ۱۳۱۸ء میں خضر خان قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے گوالیار میں قتل کیا گیا تھا اس وقت دول دیوی کے دونوں ہاتھ اپنے عاشقِ صادق خضر خان کے گلے میں پڑے ہوئے زخمی ہوئے تھے اور وہیں وہ بھی قتل ہو کر خاوند کے ساتھ دفن ہوئی۔

ان دونوں کی عاشقی کا ایسا شہرہ ہوا کہ ہندی فارسی [illegible]

چوں حیاتی را بخشید تا ہنشا و جعفر
بادشاہ عدل گستر شاہ گرد دوں اقتدار
آفتاب ہفت کشور سایہ پروردگار
بہر تاریخش بروئے کفہ میزان چرخ
شاعر سنجیدہ شاہی رستم زندہ روزگار

خزائن الفتوح ——— تاریخ علائی

اس تاریخ میں حضرت امیر خسرو نے سلطان علاؤالدین خلجی کے ابتدائی سلطنت اور فتوحات کے حالات نہایت فصاحت اور بلاغت سے تحریر کیے ہیں۔ صاحب منتخب التواریخ ملک نائک اور مغلوں کی لڑائی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس لڑائی کے قصے کو امیر نے خزائن الفتوح میں نہایت فصاحت اور بلاغت سے تحریر کیا ہے۔ مسٹر ایلیٹ اپنی تاریخ میں اس کتاب کی بابت تحریر کرتے ہیں کہ یہ تاریخ جو ان دونوں ناموں سے مشہور ہے۔ حضرت امیر کی تالیف ہے اس میں سلطان علاالدین خلجی کے (جس کو اکثر مؤلف محمد شاہ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں) اوائل سلطنت ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۶ء سے ۱۳۱۰ء تک کے حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ [illegible] ہے۔ جس کا حوالہ مورخوں نے اپنی تاریخوں میں تاریخ علاالدین خلجی کے [illegible] ہے۔ یہ مختصر کتاب ان مضامین کے بارے میں ہے [illegible]

[illegible] عبارت دقیق ہے۔ نازک خیالی اور استعارات سے
[illegible] دلچسپ بنانے میں خاص کوشش یہ بھی کی ہے کہ اس میں
[illegible] الفاظ ہندی کے بھی شامل کیے گئے ہیں مثلاً کاٹھ۔ گدڑھ۔ پر دھان۔
[illegible] کیونکہ ان کو برج بھاشا زبان سے رغبت تھی۔ اس میں زیادہ تر واقعات
ان کے چشم دید ہیں۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ قلمی نسخہ جے پور کے کتب خانے
میں موجود ہے۔ ایک لڑائی کا حال اس شعر سے شروع کیا ہے۔

این فتح خزائن الفتوح است ہر گوہر او چراغ روح است
این نامہ کہ بفتح دارد در جیب شد نام خزائن الفتوح از غیب

انشائے خسرو یا خیالات خسرو

یہ کتاب سلیس فارسی میں واقعات اور مراسلات کا مجموعہ ہے۔ اس کے
اکثر واقعات اخلاق اور پند و نصائح سے متعلق ہیں۔ یہ نسخہ بھی جے پور کے عجائب
خانے میں موجود ہے۔

اعجاز خسرو یا رسائل الاعجاز

اس کتاب میں جو اشعار عربی فارسی فقرات کے ساتھ استعمال کیے
[illegible] تمام الفاظ کی بھرت ہیں اور بلحاظ زبان کسی طرح فصحائے عرب
[illegible] شیخ کی گلستان یا مولانا روم کی مثنوی اور
[illegible] فردوسی کا شاہنامہ نظامی کا سکندر نامہ، فیضی کی

تفسیر سواطع الالہام اور ایام جہالت کے امراؤالقیس وغیرہ فصحائے عرب کے معلقہ جیسی کتابوں کا جواب آج تک نہ ہو سکا اسی طرح اعجاز کی الفاظ خسرو کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ یہ کتاب مبارک شاہ کے عہد میں شروع ہو کر ۷۱۹ھ مطابق ۱۳۱۹ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں بڑی تقطیع کے تقریباً بارہ سو صفحات ہیں اور مطبع نول کشور سے شائع ہوئی ہے۔

افضل الفوائد و راحت المحبین

ان دونوں کتابوں میں امیر خسرو نے ملفوظات اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ کو ترتیب کے ساتھ جمع کیے ہیں۔ بطور نمونہ چند سطور پیش کی جاتی ہیں۔

" مجلس اول میں بروز دو شنبہ بستم ماہ رجب المرجب ۷۱۶ھ گفتگو دوبارہ آفرینش آدم علیہ السلام واقع ہوئی بندہ گنہگار امیدوار رحمت پروردگار و پروردہ خسرو لاچین کو کہ یکے از بندگان حلقہ بگوشاں حضرت سلطان المشائخ ہے دولت قدم بوسی حاصل ہوئی عزیزان اہل صفا حاضر خدمت تھے بندہ عرض کرنے کے واسطے دست بستہ کھڑا ہوا آپ نے مجھے کھڑا دیکھ کر از راہ کرم فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جو کچھ کہنا ہو وہ کہو۔ میں نے دوبارہ قدم بوسی کی۔ آپ نے از راہ نوازش مجھے اٹھایا اور بٹھایا ارشاد فرمایا کہ تم کو اجازت ہے [illegible] التماس کیا کہ اس نحیف نے قبل ازیں جس قدر الفاظ [illegible]

زبانِ مبارک سے سنی تھے ان کو قید تحریر کیا ہے۔ بندہ نے اس
کا نام افضل الفوائد رکھا ہے۔ کتاب مذکور ملاحظہ فرمائی جا چکی ہے
اب میں طالبِ اجازت ہوں کہ جو ارشادات زبان سے سنوں ان
کو تحریر میں لایا کروں۔ میری یہ خواہش ہے کہ آئندہ ذکر حضرت انبیاؑ
(علیہم السلام) فرمایا کریں جو مفید ہو گی۔ بندہ کی عرض داشت ختم ہوتے
ہی آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے آنے سے پیشتر ہی
یہ کام تمہاری خواہش کے مطابق شروع کر دی ہے۔"
راحت المحبین کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور افضل الفوائد بھی چھپ چکی ہے۔

خالق باری

یہ کتاب گویا ہندی عربی فارسی کی منظوم لغت ہے اور مختلف بحروں میں
ہے۔ پہلے یہ کتاب بڑی ضخیم تھی لیکن آخر زمانے میں مکتبوں میں بچوں کو پڑھانے
کے واسطے نہایت مختصر کر دی گئی تھی۔ امیر کی یہ برابر خواہش رہی ایک مخلوط زبان
جس میں ہندی عربی اور فارسی کی [illegible] ہو۔ ہندوستان کے واسطے کار آمد اور ضروری ہے
[illegible] خالق باری اللہ تعالیٰ "مکاتب میں پڑھائی جاتی یقین کر لیا
فارسی کی منظوم لغت اخلاقی کتاب ہے اور ان دونوں کتابوں سے طلباء
کو جو فائدہ [illegible] محتاجِ بیان نہیں۔ افسوس ہے کہ اب یہ کتابیں
[illegible] انتخاب کر لیا اور خالق باری کے یاد ہیں

کریما

کریما ببخشائے برحال ما ۔ کہ ہستم اسیر کمند ہوا
نداریم غیر از تو فریاد رس ۔ توئی عاصیاں را خطا بخش و بس
نگہدار ما را ز راہ خطا ۔ خطا در گذار و صوابم نما
سوارے بجا نگر یکران براق ۔ کہ بگذشت از قصر نیلی رواق
چہل سال عمر عزیزت گذشت ۔ مزاج تو از حال طفلی نگشت

خالق باری

خالق باری سرجن ہار ۔ واحد ایک بدا کرتار
رسول پیغمبر جان بسیٹھ ۔ یار دوست بولی جا ایٹھ
اللہ ایک خدا کا ناؤں ۔ گرمی دھوپ سایہ ہی چھاؤں

خالق باری کے بارے میں ایک محقق کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ کتاب خسرو شاہ کی تصنیف ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے ۔

مقالہ جواہر الخسرو

اس کتاب کا کہیں سراغ نہیں ملتا ۔ انسائیکلوپیڈیا ... اور نیشنل بایوگرافی کل ڈکشنری میں امیر خسرو کی تصنیفات کے ...

فارسی کے آسمان پر بجلی ہو کر چمکے۔ ساتویں صدی میں مشرق شعر کے سرتاج شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے ایسے خوش نما گل کھلائے کہ دنیا محوِ حیرت ہو گئی

قطعہ

درشعر سہ تن پیمبرانند ہر چند کہ لانبی بعدی

ابیات قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

یہ وہی زمانہ تھا جبکہ امیر خسرو اور حسن نے طرز غزل کو کمال کے درجہ پر پہنچا دیا تھا۔ شاعر اپنی شاعری کو تجربہ علمیت اور عمر کے لحاظ سے خیالات کے سانچے میں ڈھالا کرتا ہے۔ حضرت امیر نے بھی اپنے کلام کو اسی لحاظ کو مدِنظر رکھ کر چار دیوانوں میں تقسیم کیا ہے۔

اوائل عمر —— عہد جوانی —— سن کہولت —— پیرانہ سالی —— دیوان تحفۃ الصغر —— غرۃ الکمال —— وسط الحیات —— بقیہ نقیہ

میں وہ اشعار ہیں جو سولہ سال کی عمر سے انیس برس کی عمر تک مرتب کیے ہیں۔ اس میں سلطان غیاث الدین بلبن شہزادوں اور دیگر امراء کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور یہ اکثر نوروز عید کے موقعوں پر لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر حضرت نظام الدین اولیاء یا سلطان بلبن کی شان میں ہیں۔

دوسرے دیوان میں جو بیس برس کی عمر سے تیس برس کی عمر تک کی تصانیف شامل ہیں اور اس میں بھی شاہ بلبن اور نظام المشائخ کی شان میں قصیدے درج ہیں۔

[illegible] دیوان سب سے بڑا ہے اور مثنوی مفتاح الفتوح بھی اسی میں شامل ہے۔ لیکن جو نسخہ نواب ضیاء الدین خاں دہلوی کے کتب خانے میں تھا اس میں مثنوی نہیں ہے یہ چوبیس اور بیالیس برس کی عمر کا ذخیرہ ہے۔ دیوان کا حجم چار سو چورانوے صفحات ہیں۔

چوتھے دیوان میں بیالیس سال کی عمر سے چونسٹھ برس کی عمر تک کی تصانیف ہیں۔ اس میں بھی مثنویاں اور قصائد ہیں یہ چاروں دیوان اب ناپید ہیں۔

[illegible] مختصر میں ایک قصیدہ سے آٹھ سو نوے غزلیں، ستاون قطعات اور رباعیات ہیں۔ کل اشعار کی تعداد سات ہزار سات سو بچاس ہے۔

باب ۷

ایجادِ موسیقی

حیاتِ حضرت امیر خسرو اکثر تذکرہ نویسوں نے مختلف اوقات میں لکھی ہیں مورخوں اور اس زمانے کے سیاحوں نے بھی امیر کی موسیقی کے بارے میں تھوڑا بہت لکھا ہے۔ لیکن فنی اعتبار سے یہ ثابت کرنے کی قطعی کوشش نہیں کی کہ یہ ایجاد کردہ راگ کن راگوں سے مرکب ہیں۔ کس طرح پر گائے جاتے ہیں اور کیونکر یہ عالمِ وجود میں آ گئے۔

اگر ان راگوں میں ہندی، عربی، یا عجمی راگوں کی آمیزش ہے تو وہ کون راگ ہیں اور ان کو ہم آہنگ کرنے میں امیر کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا

دوم اس تشریح کی اس وجہ سے بھی ضرورت پیش آئی کہ آج جو ہندوستانی موسیقی رائج ہے اس میں یہ تمیز کرنا کہ امیر کے راگ اور ترکیبیں کیا ہیں فی الحقیقت ایک دشوار معاملہ ہے کیونکہ امیر کی موسیقی کی تمام کتابیں ضائع ہو چکی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ امیر نے جو یہ دشوار گذار کام کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے مسلمانوں نے اس دعوے کے ثبوت میں کہ ہندوستانی موسیقی [illegible] یا اس کی ترقی اور معراج کمال پر پہنچاتے ہیں مسلمانوں کا کتنا حصہ

... یہ ہوا کہ جو ابو عمری ناقدری کی گرد میں رُلتے رہتے ایسے معدوم ہوگئے کہ ان کا نام بھی باقی نہیں رہا اور وہ راگ جن کے موجد امیر خسرو تھے دوسروں سے منسوب ہوگئے۔ اس لیے بحیثیت ایک مؤلف کے میرے واسطے یہ ضروری ہوگیا کہ اس بارے میں جس قدر معلومات فراہم کرسکوں ان میں حتے الوسع کوتاہی نہ ہو۔ اس سلسلہ میں مجھ سے جو ہوسکا وہ میں نے کیا۔ اس کے بعد اہل نظر کا کام ہے کہ وہ اس طرف توجہ فرمائیں۔ ممکن ہے کہ تذکرہ نویسوں نے فن کی دشواریوں، عدم واقفیت موسیقی کی وجہ اور عدم جواز کے اختلافی وجوہات کی بناء پر امیر کے اس کارنامے کو نظر انداز کردیا ہو یا ممکن اہل خیال کیا ہو لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سات سو سال گذر جانے کے باوجود کسی اہل نظر نے توجہ نہیں کی۔

ظاہر ہے کہ امیر کی عمر کا زیادہ حصہ شاہی درباروں اور امرا کی صحبتوں میں گذرا جہاں موسیقی درباروں کی رونق اور شان و شکوہ کا جزو اعظم خیال کی جاتی تھی۔ قدرتی طور پر امیر نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ اس زمانے کی ہندی موسیقی جو چند مخصوص راگوں پر مشتمل تھی۔ کچھ تو مسلمانوں کے عام مذاق سے مختلف تھی اور کچھ ان میں سراپا لہو ولعب سے مملو تھے یا ناقابل فہم تھے۔ جو گانے مسلمانوں کو پسند تھے مثلاً حمد و ثنا، نعت، غزل، رباعیات، خمسہ، مثنوی وغیرہ مضامین کے واسطے ہندی راگوں میں کوئی گنجائش نہ تھی۔

امیر نے اس دشواری کو محسوس کیا اور اس قومی ضرورت نے عملی صورت اختیار کی۔ چونکہ عربی ایرانی موسیقار شاہی درباروں میں شریک ہوتے تھے ان کی امداد سے ایجاد پیدا کرکے غیر ممالک کے راگوں کو سمجھا اور اس زمانے کے

ہندی راگوں سے واقفیت حاصل کی۔ چونکہ طبیعت رسا اور جس ...
اس طرح ان رنگ برنگے پھولوں سے ایک ایسا خوشنما گلدستہ تیار کیا جو
کہ تمام و کمال صفات کا حامل تھا۔

امیر نے نہ صرف راگ ہی ایجاد کیے بلکہ مختلف اقسام کے ساز بھی
ایجاد کیے اور ایسے جامع اور مکمل قواعد مرتب کیے کہ باوجود اس درازیٔ مدت
کے ان میں کوئی ترمیم تنسیخ نہ کر سکا۔

اس ضعیفی کے عالم میں یہ تو میرے لیے ممکن نہ تھا کہ ممالک غیر جا کر
ریسرچ کے سلسلہ میں موسیقی کی عربی انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرتا، لیکن خوش قسمتی
سے ان کتابوں میں سے بعض کے ترجمے اور اقتباسات کراچی ہی میں مل گئے
اور اتفاق سے ایسی قدیم زمانے کی کتابیں بھی دستیاب ہو گئیں جن کا وہم و گمان
بھی نہ تھا۔ گو علم موسیقی سے مجھے خاص دلچسپی ہے تاہم یہ فنی اعتبار سے ایک
دشوار ہے جس کی باریکیوں کو سمجھنا میرے لیے آسان نہ تھا لیکن مشہور ماہرین جن کا ذکر
دیباچہ میں کیا جا چکا ہے ان سے سمجھنے کے بعد قلم اٹھایا اور اس طرح یہ فن جو
مسلمان دعوے دار ہیں ایک حد تک محفوظ ہو گیا۔ جن کتابوں سے ... میں مدد لی
گیا وہ حسب ذیل ہیں:

RAGMALA MINIATURES BY H. J. STOOKE

INDIAN MUSIC BY D. P MUKERJI

HISTORY OF ARABIAN MUSIC BY HENRY GEORGE-
FARMER

4 - TRACTS ON LISTENING MUSIC BY ... ROBSON

5 - INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE BY TARA CHAND

6 - ISLAMIC CULTURE VOL: XXIX NO ...

7 - HISTORY OF THE RÂGHÂS

8 - INDO IRANICA, ERAN SOCIETY CULTURE

۹ - ہندوستان کی موسیقی مصنفہ عبدالحلیم شرر

۱۰ - ہماری موسیقی ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی

۱۱ - تذکرہ مرات الخیال مولفہ امیر شیر علی خاں لودھی۔

۱۲ - معدن النغمات مصنفہ ٹھاکر نواب علی خان

۱۳ - شعرالعجم مولفہ شبلی

۱۴ - معدن موسیقی مولفہ حکیم محمد کریم امام خان مطبوعہ ۱۹۲۵ء

۱۵ - سرمایۂ عشرت مولفہ صادق علی خاں مطبوعہ ۱۸۸۴ء

۱۶ - راگ چمن حصہ اول و دوئم مطبع ابوالعلائی آگرہ

مسلمانوں کی موسیقی کی ابتداء

ہندوستان کے امیرخسرو کے ایجاد کردہ راگوں کے بارے میں کچھ لکھا

جائے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ راگوں کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور کیونکر ہوئی
آج جس فن موسیقی کو معراج پر دیکھ رہے ہیں اس کی ترقی کا سہرا کس کے
سر ہے۔

فلسفیوں کا مقولہ ہے کہ جن جذبات دل کے اظہار سے زبان قاصر
رہتی ہے ان کو نغمہ اپنے سروں، زمزموں، مینڈھ، الاپ وغیرہ سے ادا
کرتا ہے اور اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ نفس انسانی اس پر عاشق ہو جاتا
ہے۔ روح میں جذباتی کیفیت پیدا ہو کر کبھی انسان ہنستا ہے کبھی روتا ہے
اور کبھی ایسا بے خود ہو جاتا ہے کہ جز عالم مافیہا اس کو کچھ نظر نہیں آتا وہ اپنی ہستی
سے بے خود ہو کر عالم روحانیت کی سیر کرتا ہے اور اس کے کیف و سرور میں گم
ہو جاتا ہے۔

گانا ہر جاندار کی سرشت میں داخل ہے یہاں تک کہ جانور بھی خود گاتے
ہیں اور دوسروں کے گانے سے مسرور ہوتے ہیں۔ رجز خوانی سے سپاہی کا حوصلہ
بڑھتا ہے۔ پنہاری گا کر اپنی محنت کو خوشگوار بناتی ہے۔ بینڈ کے سروں اور
تال سم پر فوجیں مارچ کر کے اپنی منزل کو آسان کرتی ہیں۔ ماں بیٹے کی نعش پر
بین کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہے۔ عاشق غزل سرائی سے گویا کہ
اپنا غم غلط کرتا ہے، بچہ ماں کی لوری سے سو جاتا ہے، اونٹ سار بان کے
نغمہ سے مست خرامی کرتا ہے۔ گھڑ سیٹی کی آواز سے پانی پیتا ہے اور
سانپ بین کی آواز پر جھومنے لگتا ہے۔ [illegible] مشہور ہی ہے
معمولی گانوں سے بھی مریض کا درد کم [illegible] ہو جاتا ہے [illegible]

[illegible] پہاڑوں پر بعض پرندے ایسے خوش گلو ہوتے ہیں کہ ان کے [illegible] سے انسان بے خود ہو جاتا ہے ۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ دہرہ دون میں ایک چڑیا سورج نکلنے سے [illegible] اپنی سریلی آواز میں نغمہ سرا ہوتی تھی تو عجیب سماں پیدا ہوتا تھا اور [illegible] سوس ہوتا تھا کہ آسمان سے سرور چھن چھن کر زمین کی طرف آ رہا ہے ۔ یہی وہ کیفیات ہیں جن کے واسطے موسیقی جادو کا اثر رکھتی ہے جو لوگ [illegible]نے کو ممنوع خیال کرتے ہیں وہ بھی تنہائی میں کسی شعر کو گنگنا کر ترنم سے اپنا دل خوش کر لیتے ہیں ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کے پاس جوش [illegible] جذبات کے اظہار کا موثر طریقہ موسیقی ہی ہے ۔

موسیقی دراصل فطرت کی ایجاد ہے اور نغمہ سنج طیور اپنی سریلی آوازوں سے ہمیں قدرتی کیفیات کی طرف متوجہ کرتے ہیں نغمہ ہائے سازخواہ کتنے ہی طرب خیز کیوں نہ ہوں ان کے اثرات فرحت [اور] سرور کی چاہے کتنی بھی ترجمانی کیوں نہ کریں دل کے سوئے ہوئے [جذ]بات کو جنبش میں لانے اور روح کی گہرائیوں میں اتر جانے کی قوت [اثر آف]رین جھروں، الم انگیز راگوں، دل کش اور دل شکن اثرات [illegible] ہی میں ہو سکتے ہیں ۔

[illegible] کا بھی یہی حال ہے ، رقص کا زور ہی کے لیے جنبش نہیں ہے [illegible] بلکہ دست و پا کی حرکت بھی ہے جو آواز کے ساتھ انسان [illegible] ہے ۔ یہ تمام حرکات ٹھنڈی سانس میں بھی

رہیں اور یہ تمام علامات آواز کے ساتھ آنسوؤں کا تار بھی باندھ دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم آنسوؤں کا مسلسل جام چھلکائے بغیر شدت کسی کے دل کا دروازہ کھٹکھٹا سکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ فطرت کی منظر فریب سامانیاں گھر سے غم سے لبریز کردیں اور اس کا محرک ہمارے ہونٹوں سے لحن اور آنکھوں سے آنسو جاری کررہا ہو اور رقاصہ چٹکیاں بجاتی ہوئی رقص کی جنبشوں میں کھو جاسکے۔

الغرض انسان کے جذبات فطری نے موسیقی کو ہر ملک اور قوم میں خود رو طریقہ پر پیدا کیا اور انھوں نے اپنی استعداد کے مطابق اس کو ترقی دی۔

چونکہ میرا مقصد محض حضرت امیر خسرو کے ایجاد کردہ راگوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچانا ہے۔ جس کا تعلق عربی، عجمی اور ہندوستانی راگوں سے ہے اس لیے ان ممالک کی موسیقی سے واقفیت ضروری ہے۔

جہاں اور ممالک نے ترقی کی بنی اسرائیل۔ مصری، آشوری، بابلی، یونانی اور رومیوں نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق اس فن لطیفہ کو مکمل فن بنا دیا۔

ظہور اسلام کے وقت عورتوں کا دف بجا بجا کر گانا تواریخ سے ثابت ہے۔ صحابہ کے زمانے میں بھی نامی گویئے پیدا ہوئے چنانچہ سب سے پہلے مغنی اسلام بنی مخزوم کا ایک غلام طویس تھا جس کی وفات خلیفہ ثالث حضرت عثمان کے زمانے میں ہو گئی تھی۔ اس کا [illegible] گانے کا شوق تھا۔ ہزج اور رمل راگوں کے استاد اور بیدل [illegible] شخص تھا وہ اپنے آپ کو نہایت منحوس بتلاتا تھا [illegible]

غیر زبانوں کی موسیقی میں سے اپنے نغمہ کو ترقی دے سکتا ہوں۔ اس کا یہ [illegible]
دیکھ مالک نے اسے آزاد کر دیا۔ لوگوں کی قدردانی نے اس میں [illegible]
کا ذوق پیدا کر دیا وہ سفر کرتا ہوا شام پہنچا۔ جہاں رومی یونانی علوم
ترقی پر تھے، ان زبانوں کے مغنیوں سے ملا اور ان کی موسیقی کے اصول سیکھے
قواعد معلوم کیے۔ چنگ و رباب بجانا سیکھا اور اس کے بعد ایران جا کر
وہاں کے گویوں کا شاگرد ہوا۔ ان کے نغموں کی دھنیں سیکھیں اور باربد، نکیسا،
شیرکی، بشکر جو اس عہد میں ایران کے نامور مغنی تھے اور ان میں اول الذکر
دونوں ساسانی تاجدار خسرو پرویز کے خاص مغنی تھے۔ ان کے راگ سیکھ کر
جب اپنے وطن واپس آیا تو عجیب چیز تھا، جہاں جاتا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا
یہاں تک کہ خلیفہ عبدالملک مروان کو اس کا علم ہوا کہ ابن مسجح تمام نوجوان
عربیہ کو غارت کیے ڈالتا ہے اس پر اس کی جائداد کی ضبطی کے ساتھ جواب
دہی کی غرض سے دمشق میں حاضری کا حکم ہوا اور کشاں کشاں دمشق لے جایا گیا
نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہاں کے لوگوں نے اس کا گانا سنا تو خود عبدالملک بھی نغمہ
کے والہ و شیدا ہو گئے اور معافی کے ساتھ انعام و اکرام دے کر اس کو گھر
واپس جانے کی اجازت دے دی۔

ابن مسجح کے بہت سے شاگردوں میں سب سے [illegible]
عریض تھے۔ اس کے بعد معابد بھی ان کا شاگرد ہو گیا۔ [illegible]
سب سے بڑے استاد مغنی تھے۔ اسی زمانے کے بعد [illegible]
کے نغموں کی شہرت ہوئی۔ یہاں تک کہ جب [illegible]

کرنے لگی۔

متوکل کے زمانے میں ۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ نہایت [illegible]
ترقی کی۔ اس کے بعد زنین، ردبیں، مختصر فن نغمہ کے استاد [illegible]
خلیفہ معتضد باللہ نے جس کا عہد ۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ تھا، موسیقی کو
ترقی دی۔ بعدہٗ خلیفہ عبداللہ بن معتز جو شاعر بھی تھا [illegible] موسیقی کی
قدردانی کی۔ اس کے بعد باہمی اختلافات کی وجہ سے عربوں نے موسیقی پر
بیسیوں کتابیں لکھ ڈالیں۔

شہنشاہ حسین رضوی ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ مسٹر [illegible]
فارمر نے اپنے مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل کے اندر شائع ہوا
اکتوبر ۱۹۲۵ء میں فن موسیقی پر عربوں کی ان بیش بہا تصانیف کی فہرست
مرتب کی ہے۔ جن کے نادر الوجود نسخے خوش قسمتی سے بوڈلین لائبریری
میں موجود ہیں۔ ان تصانیف کی تین ثلث کا تذکرہ کتب خانہ مذکور کی فہرست
مطبوعہ ۱۷۸۷ء میں درج ہے اور ایک ثلث [illegible]
پڑھنے والوں کے واسطے موجود ہے۔ لیکن ارباب علم و تحقیق [illegible]
سے پوشیدہ ہے۔

مسٹر فارمر نے ایک مکمل فہرست مرتب [illegible]
اس میں شک نہیں کہ محض ان کتابوں کی فہرست [illegible]
کام تھا۔ مسٹر فارمر مذکورہ بالا [illegible]
رہیں جس سے کتابت کے [illegible]

بابت ذکر ہے۔ فصل دوم میں نظریہ اصوات پر تفصیلی بحث ہے۔ فصل سوم
امتزاج اور تنافر اصوات پر بحث ہے اور آوازوں کے اُتار چڑھاؤ ...
ہیں۔ چہارم میں تاثرات اصوات یعنی آوازوں کے اثرات پر بحث ہے۔
پنجم میں الحان اور ان کے قوانین کی شرح ہے۔ ششم میں آلات موسیقی کا
ذکر ہے۔ ہفتم میں افلاک اور سماوات کے نغمات کی سرود بحث ہے۔ ہشتم
کا تعلق احکام کلام سے ہے۔ نہم میں علم موسیقی کے مطابق تناسب اعضا کی جس
قدر ضرورت ہے اس کا ذکر ہے۔ دہم میں نغمات افلاک کی حقیقت کو بیان
کیا گیا ہے۔ یازدہم میں عناصر وغیرہ کے متعلق حالات ہیں۔ دوازدہم میں
مختلف سُروں کا ذکر ہے۔ سیزدہم میں فلاسفروں کے اقوال نادرہ ہیں۔
چہاردہم میں پُرسُرور نغمات جو قلب اور دماغ پر کیفیتیں طاری کرتے ہیں
ان کا بیان ہے۔ اسی قسم کی اور کتابیں ہیں۔

سب سے پہلا شخص جس نے سلف کے خزائن موسیقی کو جمع کیا ہے
وہ الکندی تھا۔ جس کا ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد فارابی
ہوا۔ جس نے موسیقی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور نظری حیثیت
سے اصول موسیقی پر جو تفصیلی بحث کی ہے اس کا درجہ سب پر فائق ہے۔ آلہ
ساز قانون اسی کی ایجاد ہے۔ اس نے ذیل میں مزید نغمات ... کی
مختلف ترکیبیں بطریق احسن پیش کی ہیں ۔ ۳۳۹ھ ... ۹۵۱ ... انتقال ہوا تھا
یہی ابونصر فارابی جس کا لقب معلم ثانی ہے ...
واقعہ کتاب وفیات الاعیان زید ابن خلکان ...

[illegible] خلافت راضی باللہ کے زمانے میں اس کا گذر سیف الدولہ علی ابن [illegible] اس وقت اکثر علم کے عالم موجود تھے۔
فارابی کی علمیت [illegible] کی سپاہیوں کی وضع میں رہا کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس کو کسی نے نہیں پہچانا اور یہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ سیف الدولہ کو علم نہ تھا کہ یہ کون ہے اس کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا لیکن اس نے جواب دیا کہ اپنی جگہ بیٹھوں یا تمہاری جگہ۔ سیف الدولہ نے کہا کہ اپنی جگہ۔ یہ سنتے ہی وہ شاہی مسند پر جا بیٹھا۔ یہ بات بادشاہ کو ناگوار ہوئی اور اس نے اپنے غلاموں کو مخاطب کر کے ایک خاص زبان میں کہا کہ یہ بڈھا بڑا بدتمیز ہے میں اس سے چند مسائل دریافت کروں گا۔ اگر اس نے ٹھیک جواب نہ دیئے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ ابونصر اس زبان سے واقف تھا۔ اس نے اسی زبان میں کہا کہ خود امیر کیجئے۔ بادشاہ کو تعجب ہوا۔ کہا کیا تم اس زبان سے واقف ہو۔ اس نے جواب دیا کہ نہ صرف اسی زبان سے بلکہ بہت سی زبانوں سے واقف ہوں۔ اس کے بعد فارابی ان علماء سے جو اس وقت دربار میں موجود تھے گفتگو میں مصروف ہو گیا اور سب پر غالب آیا۔ صحبت کا یہ رنگ دیکھ کر بادشاہ نے سب کو رخصت کر دیا اور فارابی سے کھانے کے واسطے پوچھا۔ اس نے [illegible] گانا سنیں گے۔ اس پر فارابی راضی ہو گیا۔ بڑے بڑے [illegible] گانا اس کو پسند نہ آیا۔ پھر اس نے اپنی کمر سے [illegible] میں لکڑی کے ٹکڑے تھے ان کو جوڑ کر اس نے بجانا [illegible] اس کے بعد کچھ ایسا راگ بجایا کہ سب سو

گئے اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

ابتدائی زمانے میں بعض راگ صرف [illegible] شادی بیاہ [illegible] تھے، جب فارس فتح ہوا تو وہاں کے لوگ غلامی میں آئے۔ خود اس زمانے میں عبداللہ بن جعفر کے غلام سائب، عامر، طویس اور نقیبہ مشہور ہوئے۔ ان سے معبد ابن بریر وغیرہ نے سیکھا اور بالآخر بنی عباس کے زمانے میں منتقل ہو گیا اور پھر اس کے بعد ابراہیم بن مہندی اور ابراہیم موصلی، اسحاق بن ابراہیم، حماد بن اسحاق ابوالوفا، المتوفی ۹۹۸ء وغیرہ مشہور گویے عرب میں پیدا ہوئے۔ الغرض چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی مشہور کتاب "اغانی" تصنیف کی جو اتنی بڑی اور ضخیم کتاب ہے کہ اکیس جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ گویا اس زمانے کی موسیقی کو اس نے کتابی شکل میں محفوظ کر دیا تھا۔ اس میں گانے والوں کے نام، راگ، راگنیاں، دھنیں، گانے کے قواعد سب موجود ہیں۔ ادھر یہ علم و ادب کی بہترین کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ فرانس اور انگلستان میں یہ کتاب بڑے اہتمام سے چھاپی گئی ہے لیکن اب وہ راگ دھنیں اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہیں۔

یہ عربی راگوں کی کتاب ایسی ہی قدیم ہے جیسے "سنگیت رتناکر" قدیم ہندی راگوں کی کتاب ہے اور جس طرح [illegible] کی کوشش ہو رہی ہے۔ اسی طرح ضرورت ہے کہ [illegible] سے زندہ کیا جائے۔

حکیم ابونصر فارابی اس زمانے کا حکیم [illegible]

کی بھی تفصیل معلوم نہیں۔

(۶) کوچک کا پہلا شعبہ "رکب" ہے۔ جس کی چھ راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "بیات" ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں۔

(۷) عراق کا پہلا شعبہ "مخالف" ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "مغلوب" ہے۔ جس کی آٹھ راگنیاں ہیں۔

(۸) نوا کا پہلا شعبہ "نوروز عارا" ہے۔ جس کی پانچ راگنیاں ہیں۔ اور دوسرا شعبہ "ماہور" ہے جس کی چھ راگنیاں ہیں۔

(۹) صفاہان۔ کا پہلا شعبہ تبریز ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "نشاپور" ہے جس کی چھ راگنیاں ہیں۔

(۱۰) عشاق کا پہلا شعبہ زابل ہے جس کی دو راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ اوج ہے جس کی آٹھ راگنیاں ہیں

(۱۱) زنگلہ کا پہلا شعبہ چہارگاہ ہے جس کی چار راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "غزال" ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں۔

(۱۲) بوسلیک کی راگنیاں لاعلمی میں ہیں۔

اس طرح پر عربی موسیقی میں بارہ راگ چوبیس شعبے اور ایک سو بائیس راگنیوں سے کچھ زیادہ ہیں۔ ان سارے بسیط راگوں کے علاوہ ان کی موسیقی میں بعض دھنیں اور مرکب نغمے بھی ہیں جو دو دو راگوں سے مل کر [illegible] کر لیتے ہیں۔ بظاہر ان راگوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے۔ لیکن جو کتابیں میری نظر سے گذری ہیں ان میں صرف چھ درجے ہیں جن کو ایرانی اصطلاح میں آہنگ کہتے ہیں۔

آہنگ

(۱) سلمک (۲) گردانہ (۳) نوروز (۴) گوشت (۵) مازہ (۶)

ساز ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی موسیقی میں بعض دھنیں بھی ہیں جن کو وہ اپنی اصطلاح میں گوشہ کہتے ہیں اور سب کے جدا جدا نام ہیں اور ان ناموں کی مناسبت عربی اور ایرانی مذاق کا بین ثبوت ہے۔ گوشوں کا شمار جو انھوں نے کیا ہے اڑتالیس تک پہنچتا ہے۔

ان تمام راگوں کے اوقات بھی مقرر ہیں مثلاً رہاوی کا وقت پو پھٹنے سے طلوع آفتاب تک۔ حسینی کا دوپہر چڑھنے تک۔ عراق کا دوپہر تک۔ راست کا دوپہر کو۔ کوچک کا پہر دن رہے تک۔ بوسلیک کا عصر کے وقت۔ عشاق کا شام کو۔ زنگلہ کا پہر رات گئے تک۔ بزرگ کا اس کے بعد کچھ دیر تک۔ نوا کا آدھی رات کو۔

ان میں سترہ تال ہیں جن کو مخمس۔ ترک۔ ضرب اور دو تالے فیغیرہ کہتے ہیں اندلس کی سرزمین زریاب ابن فرناس اور ابوالفضل کی مرہون منت ہے جو اندلس کے مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے مغرب میں ذوق نغمہ کی روح کی اور اس فن لطیف کے ساتھ وابستگی پیدا کی۔ زریاب خلیفۃ المہدی کے عہد میں سریر آداب سلطنت عباسی کے زمانے کا پروردہ تھا اور بغداد میں موصلی کا شاگرد تھا وہ مسلمان مغنیوں میں عظیم شخصیت کا مالک تھا۔ [illegible] ہارون رشید کے دربار میں حاضر ہوا۔ اسحاق

کا عود منگایا۔ لیکن زریاب نے اپنا خود ساختہ عود اٹھا لیا اور تاروں کو حرکت دی۔ سامعین اور ہارون رشید [illegible] وجد میں آ گئے۔ اپنے استاد کے [illegible] کے باعث زریاب اندلس چلا گیا جہاں اس نے اپنی موسیقی اور جدت طراز سے مغربی دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ دربار اندلس نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ زریاب کو بلاشک و شبہ ہزاروں راگ، راگنیاں یاد تھیں اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ روزانہ ایک جن آن کر اس کو ایک راگ سکھایا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق المقری نے بھی اپنی کتاب میں کی ہے۔

زریاب سے قبل چار تارہ عود مستعمل تھا لیکن زریاب نے اس میں ایک تار کا اور اضافہ کیا جو اس کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ چونکہ انسان کے جسم میں چار خاطلین خون، بلغم، سودا، صفرا ہیں۔ یہی رعایت موجدوں نے اس کی ساخت میں رکھی تھی اور یہ تار مختلف ریشم کے ڈوروں کے تھے۔ عام طور پر اس کے لیے لکڑی کی مضراب استعمال ہوتی ہے لیکن اس نے عقاب کے پنجوں کے ناخنوں کو بطور مضراب استعمال کیا اور یہ ترکیب نہایت مفید ثابت ہوئی اس کا انتقال ۲۳۸ھ میں ہوا ہے۔

حافظ شیرازی نے جو اشعار راگوں کے بارے میں کہے ہیں ان راگوں کے ناموں پر نشانات ہیں:

غزل

در بزم گاہ عشاق لے بلبل خوش الحان ۔ بنوا نوا خدا را [illegible]

اس سلسلہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ابو علی الحسن ابن عبد اللہ ابن
عام طور پر ابن سینا کے نام سے مشہور ہیں اُن کی پیدائش ۹۸۰ء میں ایک
چھوٹے سے قصبہ انچانا میں ہوئی تھی جو بخارا ترکستان میں واقع ہے۔ وہ
بچپن ہی سے علوم اور فنون کے بھوکے تھے۔ دس سال کی عمر میں انھوں نے
قرآن حفظ کیا، سولہ سال کی عمر میں نہ صرف وہ فلاسفی اور سائنس کے عالم
ہو گئے بلکہ دیگر علوم کے ساتھ طب میں بھی کمال حاصل کیا اس وجہ سے امیر بخارا
ان پر بہت مہربان ہو گیا اس کے بعد وہ سیر و سیاحت میں معروف ہو گئے اور
کتابیں لکھیں۔ بائیس سال کے بعد ہمدان آئے اور وہاں کے امیر کے وزیر مقرر
ہوئے۔ امیر کے انتقال کے بعد پھر سیاحت شروع کی اور اصفہان پہنچے
اور امیر علاؤالدین نے ان کو کوئی معزز عہدہ دینا چاہا لیکن انھوں نے منظور نہ کیا
اور اس خامی کو محسوس کر کے کہ ایرانی موسیقی میں کوئی مستند اور جامع کتاب نہیں
ہے۔ موسیقی کو سیکھنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس میں واقفیت حاصل کر کے ایک جامع
کتاب مرتب کی اور پھر سیاحت شروع کر دی لیکن رفتہ رفتہ صحت خراب ہو گئی
اور جبکہ امیر کے ساتھ وہ سفر میں تھے ۱۰۳۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور شہر
ہمدان میں دفن ہوئے۔ ۱۰۵۲ء میں ان کا مقبرہ تیار کیا گیا۔ ابن سینا کے
حکما نے اس بارے میں بھی تحقیقات کی ہے کہ راگوں کے اثرات جسم انسانی پر
کیا ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ راگوں کے اثرات موسموں کے لحاظ سے کیا ہیں۔ حکما
کا خیال ہے کہ راگ راست فالج اور لقوے کا مجرب علاج ہے۔ [illegible]
ایسے امراض میں مفید ہے جو سرد یا خشک مقامات کی آب و ہوا [illegible]

ہیں۔ عراق دماغی امراض یا لعموم مغلوب الغضب اشخاص کے واسطے مفید ہے۔ کوچک درد سر اور درد دل کا علاج ہے۔ بزرگ پیچش درد سر جو گرمی سے پیدا ہوتا ہے۔ حجاز درد پسلی کے واسطے مفید ہے۔ پیشاب آور اور خواہشات نفسانی پیدا کرتا ہے نیز کان کے درد کے واسطے بھی مفید ہے۔ بوسلیک یہ راگ جنین میں بچہ کی صحت و سلامتی اور سردی سے جو بدن میں درد ہوتا ہے۔ اس کے واسطے بھی مفید ہے۔ نوا عورتوں کے مرض سیلان الرحم میں مفید ہے۔ پراگندہ خیالی کو دور کرتا ہے۔ کمر میں جھٹکا آ جائے اور امراض دماغی میں بھی مفید ہے۔ حسینی بخار کی شدت کو کم کرتا ہے اور جسم کی غیر معمولی حدت کو بھی زائل کرتا ہے۔ زنگولہ یہ راگ مرض خناق، قلب کی حرکت خراب ہو جانے، خون کی خرابی درد گردہ اور امراض مثانہ میں مفید ہے۔ رہاوی لقوہ اور درد گردے میں مفید ہے۔ عشاق اس راگ کی بابت لکھا ہے کہ امراض القدمین والریاح الحارۃ الباۃ بجانب سہا النوم میں مفید ہے۔

الغرض راگوں کے متعلق جو حکماء اور عربوں نے تحقیقات کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

راگوں کے اثرات سننے والوں پر ہر ماہ جداگانہ ہیں

نمبر شمار	نام راگ	ایرانی مہینہ	انگریزی مہینہ	ہندی مہینے	اثرات
۱	صفہان	ثور	برکھ	بیساکھ	فرحت ۔ انبساط

۲	عراق	جوزا	متھن	جیٹھ	فرحت و انبساط
۳	کوچک	سرطان	کرک	اساڑھ	حزن و ملال
۴	بزرگ	اسد	سنگھ	ساون	حزن و ملال
۵	حجاز	سنبلہ	کنیاں	بھادوں	لطف و سرور
۶	بوسلیک	میزان	تولا	کنوار	دلیری و ہمت
۷	عشاق	عقرب	برچھیک	کاتک	دلیری و جوش
۸	حسینی	قوس	دھن	اگھن	لذت و سرور
۹	زنگولہ	جدی	مکر	پوس	غم و الم
۱۰	نوا	دلو	کنبھ	ماگھ	شجاعت
۱۱	رہاوی	حوت	مین	پھاگن	ذوق و شوق
۱۲	راست	حمل	میکھ	چیت	خوشی

ہندی موسیقی

قدیم زمانے میں ہندوستانی موسیقی کی تعلیم ویدوں کی تعلیم سے وابستہ تھی۔ کیونکہ گانا بجانا عبادت کا جزو تھا۔ تمام ویدکے بھجن گاکر عبادت کی تکمیل کی جاتی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ پرانا میوزک لٹریچر اِل ہو گیا کا سی زمانے اور اس عہد اولین کی کوئی تحریر اب موجود نہیں ہے اسی وجہ سے ہم کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی ابتدائی موسیقی کیا تھی۔ ان کے قواعد اور اصول کیا تھے۔

۱۱۰۰ء سنہ میں سب سے پہلی کتاب جو ہندی میوزک پر لکھی گئی وہ راگا ترنگی ہے جس کا مصنف لوچنا کوی ہے۔ جس نے سنہ ۱۱۶۲ء میں تکمیل کی۔ ضخامت تقریباً ننو صفحات ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی کے اختتام پر ایک دوسری کتاب سنگیت رتنا کارا جنوبی ہند کے ایک کشمیری پنڈت شرنگا دیوا نے لکھی اور یہ کتاب اس زمانے کی موسیقی کی مستند چیز ہے۔ کیونکہ اس سے ماقبل کی تمام موسیقی کے حالات اس میں درج ہیں۔ کندر کا وٹھا تیسرا شخص ہے جس نے اسی مضمون پر پانچ کتابیں لکھی ہیں یعنی صدر اگا، چندر ودیا، راگ مالا، راگ منجری اور نورتنا نر تا یا۔ یہ شخص برہان خان بادشاہ خاندیش کا ملازم تھا۔ جہانگیر کے وقت میں سومنات موسیقار نے کتاب راگا وبودہ لکھی جو سنہ ۱۶۱۰ء میں ختم ہوئی۔ اسی زمانے میں دامودرا پنڈت نے موسیقی کی سنگیت درپن کتاب لکھی جو سنہ ۱۶۲۵ء میں مکمل ہوئی اس کے بعد شاہجہان کے وقت میں پنڈت اہوبالا نے سنہ ۱۶۵۰ء میں سنگیت پاریجات لکھی جس میں کل ایک سو بائیس راگوں کے حالات درج ہیں۔

ان پنڈتوں نے سنگیت کی تین قسمیں مقرر کی ہیں۔ گرنتھ سنگیت، لکش سنگیت بھاوی سنگیت۔ گرنتھ سنگیت اس کو کہتے ہیں جو زمانہ ماضی میں تھی اور زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہی اور قدیم منسوخ ہو گئی۔ لکش سنگیت کے معنی موسیقی زمانہ حال اور بھاوی سنگیت وہ ہے جو زمانہ مستقبل میں ہو گی۔

امیر خسرو اور موسیقی

شعر العجم میں مذکور ہے کہ امیر خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے اس نازک

اور لطیف فن کی طرف بھی توجہ کی اور اس کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ چھ سو برس کی مدت نے بھی اس کا جواب پیدا نہیں کیا۔ اس زمانے کا سب سے بڑا استاد نائک گوپال تھا۔ اس نے بھی اس علم موسیقی کے حصول کی غرض سے امیر کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نائک گوپال کے تقریباً بارہ سو شاگرد تھے جو اس کے تخت کو فرداً فرداً اٹھا کر چلتے تھے۔ جب سلطان علاؤالدین خلجی نے اس کے کمال کا شہرہ سنا تو اپنے دربار میں طلب کیا۔ امیر بھی اپنے شاگردوں کو لائے۔ نائک گوپال بھی امیر کا شہرہ سن چکا تھا۔ لیکن ملاقات نہ تھی۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ پہلے امیر اپنا کمال دکھائیں۔ امیر نے اس کا یہ جواب دیا کہ میں مغل ہوں اور ہندوستانی گانے معمولی جانتا ہوں آپ کچھ سنائیں اس کے بعد جو کچھ میں جانتا ہوں وہ پیش کروں گا۔ گوپال نے کئی راگ گائے اور امیر ایک راگ کو امیر نے یہ کہہ کر ٹوک دیا کہ یہ تو میری ایجاد ہے اور اس کے بعد خود گا کر اس کی خامیاں بتلائیں اور کہا کہ یہ تو عام بازاری راگ ہیں اب میں اپنے خاص راگ سناتا ہوں اس کے بعد جب گایا تو گوپال مبہوت ہو کر رہ گیا۔

امیر چونکہ ہندی کے علاوہ فارسی راگوں سے بھی واقف تھے اس لیے انھوں نے دونوں قسم کی موسیقی ترتیب دے کر ایک نیا عالم پیدا کر دیا۔ اس کے بعد امیر نے ایک اور چیز سنائی اور اس کا نام پوچھا وہ صحیح جواب نہ دے سکا تب آپ نے اس سے کہا کہ جس چیز کو تم دھروپد کہتے ہو، جس چیز کو رنگ اور ترووٹ کہتے ہو۔ ہم نے اس کا نام ترانہ رکھا ہے۔ مطلع العلوم میں لکھا ہے کہ نائک گوپال دکن سے آیا تھا اور مدتوں آپ کی صحبت میں رہ کر کمال

...یا تھا اس کے علاوہ ساونت موسیقار بھی جو اس زمانے کا ماہر تھا آپ ہی کا
...صحبت یافتہ تھا۔

راگ ایجاد کردہ امیر خسرو

نمبر شمار		وہ راگ جن سے مرتب ہے
۱	مجیب یا مجیر	غارا اور عجمی راگوں سے مرکب ہے۔
۲	سازگری	پوربی، گورا، گن کلی اور ایک فارسی راگ۔
۳	ایمن	ہنڈول اور نیریز
۴	عشاق	سارنگ، بسنت، نوا۔
۵	موافق	ٹوڑی، مال سری، درگا، حسینی۔
۶	غنم	پوربی کو تبدیل کرکے نیا راگ بنایا ہے۔
۷	زیلف	راگ کھٹ اور شہناز
۸	فرغانہ	گن کلی، گورا
۹	سرپردہ	سارنگ، بلاول، راست
۱۰	باغرو یا باخرو	دیس کار میں ایک فارسی راگ ملایا ہے۔
۱۱	صنم یا غنم	کلیان اور ایک فارسی راگ۔
۱۲	فردوست	کانڑا، گوری، پوربی اور ایک عجمی راگ
۱۳	زنگولہ	(بحوالہ قران السعدین) گردہ بہ گل، بانگ، عراق، آفاق۔ مگر قشر عجم میں ان دو راگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دھرپا بھاؤ ہندی پنڈت کو گیغار لکھتے ہیں کہ امیر خسرو ایرانی اور
ہندوستانی راگوں سے بخوبی واقف تھے جس کے ثبوت میں اس نے خود امیر کی
تصنیف قران السعدین اور اعجاز خسروی کا حوالہ دیا ہے۔

امیر خسرو نے ستار ایجاد کیا، مردنگ کو طبلہ میں تبدیل کیا ایرانی باجہ
تنبور کی بجائے بینا ایجاد کیا۔ امیر کے زمانے میں چنگ، رباب، دف، تنبور،
شہنائی، بلبک، بارترا، ڈھول، عود، باجے موجود تھے۔ اسلامی کلچر کے
مصنف نے امیر کے ایجاد کردہ راگوں میں صلح، مجیر، غزل، تجارہ، فردوست،
قول، ترانہ، نگار، شاہانہ، بسیط، خیال، دہرپد اور قوالی کی طرزوں کا بھی
اضافہ کیا ہے۔ ان میں قوالی کو امیر کی ایجاد ہے لیکن بعض طرزیں قوالی کی
نیاز اور سائی کی بھی ایجاد ہیں جو امیر کے شاگرد رشید تھے۔

آب حیات میں مولانا محمد حسین آزاد نے بھی تصدیق کی ہے کہ قوالی امیر
ہی کی ایجاد ہے۔ جو اسی طریقہ پر گائی جاتی ہے یہی وجہ تھی کہ سلطان المشائخ
نے آپ کو مفتاح السماع کا خطاب دیا تھا۔

عبدالمجید لاہوری بادشاہ نامے میں ان واقعات کے متعلق جو
میں ہندوستان میں پیش آئے تھے۔ لکھتے ہیں کہ خسرو سے قبل ہندوستان کے
قدیم گویوں کا مدار گیت، چھند، دہرو، [illegible] نغمات
کرناٹک طرز اور اسی زبان میں تھے اور دلی کے [illegible] لوگ ان کو [illegible]
سکتے تھے اور نہ لطف آتا تھا، امیر نے اس حالت [illegible]
پہلے اسی فن میں قول، قانون پیدا اسی کو [illegible]

جو راگ امیر نے ایجاد کیے ان کے بھی اصول اور قواعد مقرر کیے جس کی ترتیب نیر بز صغیر اور نیر بز کبیر کے اصولوں پر مبنی ہے چونکہ آئندہ اس کتاب میں ہندی راگوں کی بعض اہم اصطلاحات کا بھی ذکر ہے اس لیے جو نقشہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے اس میں ان اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے تاکہ عبارت کے مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

ہندی اصطلاحات

نمبر شمار	نام	تشریح
۱	گرنتھ	کتابیں
۲	سروپ	شکل
۳	رُوپ	شکل
۴	سنگیت	نظامِ موسیقی
۵	ٹھاٹ	مجموعہ
۶	دُربل	کمزور
۷	چرن	پیر یا نیچے کا حصہ
۸	مدھ	درمیانہ حصہ
۹	درت	تیز
۱۰	بلمبت	سست
۱۱	اترانگ	اوپر کا حصہ

۱۲	پوروانگ	نیچے کا حصہ
۱۳	پربند	پرانے زمانے کا ایک قسم کا گانا
۱۴	شدھ مدہیم	اتری مدہیم
۱۵	ترووٹ	اس گانے کو کہتے ہیں جس میں طبلہ یا پکھاوج کے بول شامل ہوں،
۱۶	چترنگ	وہ گانا جس میں چار رنگ شامل ہوں۔
۱۷	ترانہ	مخصوص طرز ایجاد امیر خسرو
۱۸	ٹپا	مخصوص طرز ایجاد شوری میاں
۱۹	مشترمیل	وہ گانا جس میں ایک سے زائد راگ شامل ہوں
۲۰	انترا	گانے کا وہ حصہ جو اوپر کے سروں میں گایا جاتا ہے۔
۲۱	استھائی	گانے کا حصہ جو نیچے کے سروں میں گایا جاتا ہے۔
۲۲	سُر	صدائے خوش قائم
۲۳	آروہی	نیچے سے اوپر کی طرف سروں پر جانا
۲۴	امروہی	اوپر سے نیچے کی طرف سروں پر آنا
۲۵	سمپورن	وہ راگ جس میں ساتوں سر ہوں۔
۲۶	انش	وہ سر جس پر راگ کا دارومدار ہو۔
۲۷	نیاس	خاتمہ کا سر
۲۸	وادی سر	وہ سر جو سب سے زیادہ نمایاں ہو اس کو [illegible] کہتے ہیں
۲۹	سم وادی	وادی سر کا معاون مخبر
۳۰	ان وادی	ان سروں کو کہتے ہیں جو وادی یا سم وادی [illegible]

۲۱	بوادی	دشمن سُر
۲۲	تیور	وہ سُر ہے جو شدھ سر سے ایک درجہ چڑھا ہوا ہو
۲۳	کومل	وہ سُر ہے جو سدھ سر سے ایک درجہ اترا ہوا ہو
۲۴	ورجت	اس سر کو کہتے ہیں جو راگ میں نہ ہو۔
۲۵	مندر اور مدّاستان	بیچ کی سپتک کے سُر اور نیچے کی سپتک کے سُر
۲۶	اوڈو	جس میں پانچ سر بولیں خواہ وہ تیور یا کومل ہی ہوں۔
۲۷	راگ	اس پکے گانے کو کہتے ہیں جس میں آروہی امروہی ہو۔ وادی اور سم وادی سر ہوں۔ ان وادی سر ہوں۔ اور ودادی یعنی دشمن سر سے بچنے کا خیال پورے طور پر رکھا جائے۔ بوادی سر ہمیشہ امروہی میں استعمال ہوگا اگر ان تمام باتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو راگ غلط ہو جائے گا اس کے علاوہ سازوں کی ہم آہنگی اور تال سم کا صحیح معیار پر ہونا بھی ضروری ہے۔

سنگیت رتناکر اور امیر خسرو

ہندوستان میں سنگیت تین ہزار برس پہلے سے باقاعدہ موسیقی رائج ہے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں تمام وید اہل ہنود کی چار کتابوں میں جو مقدس ہیں۔ [illegible] کتاب ہے جس کے اشلوک گا کر پڑھے جاتے تھے زمانے کے انقلاب

کا یہ اثر ہوا کہ شام وید میں بھی تبدیلی ہوئی اور وہ جو سات سر آج موجود ہیں قدیم نہیں رہے۔ ہر بند چند کے زمانے میں جو قواعد موسیقی مروج تھے ان کو کتاب میں ایک جگہ جمع کیا ہے اس لیے موسیقی کی تصانیف میں یہ کتاب مستند ہے لیکن اب اس کو سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جو گرنتھ بعد میں لکھے گئے ہیں ان میں اسی عبارت کو بجنسہ نقل کر دیا ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ پنڈت سارنگ دیو سنہ ۱۲۱۰ء میں پیدا ہوا تھا اور سنہ ۱۲۴۷ء میں وفات پائی۔ حضرت امیر کی پیدائش سنہ ۱۲۵۳ء میں چھ سال کے بعد ہوئی۔ یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ امیر کے ایجاد کردہ راگوں کا تذکرہ کتاب رتناکر میں نہیں ہے اور یہ امیر کی ایجادیں اس کے بعد کی ہیں جس زمانے میں سارنگ دیو پیدا ہوا تھا اس وقت یدوا کے خاندان کا دارالخلافہ دولت آباد میں تھا۔ چند عجمی راگوں کے نام جو رتناکر میں درج ہیں وہ غالباً ان عجمی گویوں سے حاصل کیے ہوں گے جو شاہان مغلیہ کے درباروں میں ملازم تھے اور ہندو گرنتھ کار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ہندی اور فارسی راگوں کی تقسیم میں یہ فرق ہے کہ فارسی میں بارہ مقام چوبیس شعبے، اڑتالیس گوشے چھ آوازے، بارہ بحریں اور ستیس تحریریں ہیں اس کے علاوہ دو مقام اور چار [illegible] بارہ مقام اور چوبیس شعبوں سے چودہ مقام اور اٹھائیس شعبے قائم کیے ہیں۔

ہندی موسیقی میں قدیم موسیقاروں کے خیال [illegible] راگ تیس راگنی، اڑتالیس پتر اور بارہ [illegible] منسوب کی ہیں۔

بھیروں، ملکوس، ہنڈول، دیپک، سری راگ، میگھ راگ لیکن متقدمین میں ہنڈول رہتا رہا اور بہت کچھ فرق ہو گیا ہے۔

اس لحاظ سے اگر امیر کے ایجاد کردہ راگوں میں (جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے) بعض ہندی راگوں سے مناسبت پائی جاتی ہے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے اسی طرح ہندی راگوں میں بھی عجمی یا عربی راگوں کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ امیر کی جدت تو یہ ہے کہ انھوں نے رنگ برنگ اور دل آویز پھولوں کو ملا کر ایسا گلدستہ تیار کیا ہے جو اپنی خوشنمائی، دل آویزی اور رنگ و بو کے لحاظ سے بے مثل اور لاثانی ہے۔

ان حالات کو مدنظر رکھ کر اگر چار شعبے یعنی حوز، نہاوند، اصفہانک اور مخالف کو بھی شامل کر لیا جائے تو امیر کی ایجادیں اٹھائیس ہوتی ہیں۔ یہ بھی بعض ماہرین کا خیال ہے کہ پانچ گوشے یعنی موافق، صنم، آوان، فرغنہ بھی امیر ہی کی ایجادیں ہیں۔

بعض لوگ صنم کو نیریز بھی کہتے ہیں۔ حالانکہ امیر خسرو نے دونوں نیریزوں صغیر اور کبیر سے صنم کو جدا کیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ صنم، کلیان سے زیادہ مشابہ ہے اور نیریز، بھیروں، کافی اور اصفہان سے کیونکہ اسی کا شعبہ ہے اور شعبہ بیشتر اصفہان سے مشابہ ہے۔ معارف النغمات میں لکھا ہے کہ اہل ہند کا علم موسیقی نے بھی اپنی پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ موسیقی کی طرزوں کے مختلف اقسام جیسے الاپ، دہر پد، سارو دہ، ہوری خیال، ٹپہ، ٹھمری، ترانہ، ترویٹ، بسنگم، چترنگ، قول، عمری، دادرا،

غزل، قوالی وغیرہ۔ ان میں علاوہ دوسری طرزوں کے خصوصی ترانہ امیر [illegible]
ایجاد ہے انھوں نے عجمی انداز پر چند مخصوص الفاظ بھی ایجاد کیے ہیں جیسے
بل، توم، تانا، تادانی وغیرہ جس کو تال اور الاپ کے ساتھ گایا جاتا ہے
حکیم محمد کرم امام خان مصنف معدن موسیقی نے لکھا ہے (صفحہ ۱۲۳)
کہ سر اور تالوں کے لحاظ سے ہندی اور عجمی راگ تقریباً یکساں ہیں کیونکہ بارہ
سروں سے خالی نہیں ہیں اور دونوں میں کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہے مثلاً عجمی راگوں
میں مقامات شعبہ، آوازہ، الحان یا آہنگ، صوت، نغمہ، رہکب،
غزال کی مناسبت کھٹ اور دھناسری ہندی راگوں سے پائی جاتی ہے۔
دوگاہ، حسینی، نوروز، اور عجم کی مناسبت سارنگ سے ہے۔ سہ گاہ
چہارگاہ، مغلوب، زنگولہ کی مناسبت ٹوڑیوں سے ہے۔ زابل، مخالف
عشاق کی مناسبت گوری، پوربی، پوریا، گورا، آسا، بھٹیال سے ہے۔
عراق، اوج، گن کلی، مالسری سے مشابہ ہیں۔ اصفہان اور نیشاپور کی
مناسبت زیلف اور بھیروں سے ہے۔ اس طرح نیریز کبیر اور نیریز صغیر
کی مناسبت ایمن، بھوپالی، بھبھاس اور جیت سے ہے۔ بعض عشاق کو
ہندی راگ نٹ سے مشابہ بتلاتے ہیں۔ نوروز عجم، حسینی اور [illegible]
راگ کافی سے اور بعض ماہرین فن دھناسری کا بھی مشابہ بتلاتے ہیں۔ [illegible]
سے اصفہان کو سارنگ سے عراق کو کانڑے سے [illegible]
دوگاہ کو جیت سری سے، رہاوی [illegible]
کو الی اللہ گرا سے سہ گاہ کو بلاول سے چارگاہ [illegible]

[illegible] امیر خسرو کے زمانے میں جو موسیقار عرب اور عجم سے آتے تھے آپ
ان سے کہا کرتے تھے کہ تمہارے ملک کے جن راگوں کو میں نے دوسرے راگوں میں
ملا کر ان سے بہتر ہو گئے ہیں اور جن ناموں کو تبدیل کیا ہے وہ اس طرح ہیں
جس کو تم رہکت کہتے ہو اس کو ہم کھٹ کہتے ہیں۔ تم بھادٹ کہتے ہو ہم
[illegible] کہتے ہیں۔ تم عشاق کہتے ہو ہم گن کلی کہتے ہیں۔ حسینی۔ زوگاہ اور
[illegible] کو ہم سارنگ اور کافی کہتے ہیں تم سہ گاہ۔ چہار گاہ۔ مایہ بستہ۔ نگار
[illegible] کہتے ہو ہم ٹوڈی کہتے ہیں۔ حسینی اور عراق کو نمارہ کہتے ہیں
عشاق کو سارنگ یا بسنت۔ فرغنہ کو گورا اور گن کلی۔ جسے تم نشد کہتے ہو
اسے ہم الاپ کہتے ہیں۔ جس کو عرب اور ایران والے مدر کہتے ہیں اس کو ہم
تیپ کہتے ہیں۔ خرج کو یہاں کھرج کہتے ہیں۔ امیر اکثر ان کو راگوں کے ٹکڑے
نکال کر اور گا کر سمجھایا کرتے تھے۔

حضرت امیر خسرو اور سلطان حسین شرقی خوش قسمت ہیں کہ انھوں نے
اپنی ایجادوں کو سپرد قلم کر دیا تھا۔ بعض مورخوں نے تو یہ لکھا ہے کہ راگوں کا
تعین دن کے اوقات سے ہے۔ مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔
[illegible] دہلی کے شاہانہ کی موسیقی آج دنیا میں موجود نہیں ہے نہ اس زمانے کے
کسی راگ کا کوئی نام جانتا ہے۔ اگر پارسیوں کے عہد کا خیال کر کے لفظ نوروز
[illegible] راگ کا نام ہے اس کی تقابلی وجود قائم کر لیا جائے لیکن لفظ حجاز (جو
[illegible] راگ کا نام ہے) وہ تو خالص عربی لفظ ہے اور جس راگ کا نام نوروز
[illegible]

[illegible] ہے اور سورٹھ کامل دیس اور بلاول سے ہے۔ کا لنگڑا مرکب
ہوتا ہے اور جا جونتی قوالی میں سنگیت دیس اور سورٹھ کی ہے تاہم دونوں
[illegible] میں اور ٹوڑی اور اساوری میں سنگیت بھیروں کی ہے۔
[illegible] غالباً سمپورن راگ ہے اس میں سوائے مدہم کے سر کے سب تیور
لگتے ہیں۔

ضلع۔ اس راگنی کو امیر نے کافی میں دو ایک سر ملا کر موزوں اور دلکش
بنایا ہے۔ یہ سمپورن ہے جس میں شرج اور پنچم شدھ اور رکھب اور دھیوت
تیور ہیں۔ گندھار مدہم اور نکھاد کومل ہیں۔

[illegible]ارا۔ یہ راگ سمپورن ہے اور بجز مدہم سر کے اس میں سب تیور ہیں۔

حسینی کانڑے کو بعض سلطان حسین شرقی اور بعض امیر سے منسوب
کرتے ہیں۔ یہ کافی ٹھاٹ کا سمپورن راگ ہے۔ پنڈت اس کو نیا سروپ
مانتے ہیں جو پرانی گرنتھوں میں نہیں پایا جاتا۔ جس طرح اڈانہ کو مدہم سے شروع
کرتے ہیں اسی طرح یہ شروع ہوتا ہے۔ اڈانے سے اس میں کانڑے کا رنگ
آتا ہے۔ اڈانا۔ میگھ۔ حسینی۔ شہانہ۔ سگھرائی۔ سور ملہار۔ ان سب میں
کانڑے کا رنگ غالب ہے۔ قدر استان کا کھرج اس میں اچھا معلوم ہوتا
ہے اور دھیوت گندھار کی زیادتی اور کمی سے یہ راگ ایک دوسرے سے
[illegible] کتاب راگ دلکش گیت میں لکھا ہے کہ حسینی کانڑے میں
[illegible] اور مدہم ہی نکھاد وجنت ہے اور کتاب سار ودا امرت
[illegible] کھرج وادی ہے اور مدہم کا سموادی

...ہے ثابت ہے گویا قدیم زمانے میں موسیقی کا مقصد محض
...ات نفسانی کو مشتعل کرنا تھا۔ ہمہ اقسام کی پر لطف صحبتیں جو ہر راگ سے
...ہیں اس کا بین ثبوت ہے۔ میں اس خیال کو تسلیم کرتا ہوں لیکن موسیقی
...ی ایک ہی اثر نہیں رکھتی ہے۔ بلکہ وہ ایسی عینک ہے کہ جو رنگ شیشے
...ہے دنیا اسی رنگ میں رنگی ہوئی دکھلائی دیتی ہے۔ مسلمانوں نے مذہبی
...ڑ کے لحاظ سے اس کو ناجائز قرار دیا۔ دوم کرناٹکی راگ اور
...نے جو گائے جاتے تھے ان سے عام مسلمان اور خصوصاً مغربی اضلاع
...ی کے مسلمان ناآشنا تھے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی زبان
...نے مذاق اور خیالات کے مطابق موسیقی کو مرتب کیا جائے۔
اس ضرورت کو سب سے پہلے مشائخ صوفیہ نے محسوس کیا اور امیر خسرو
...عربی، عجمی اور ہندی راگوں کو اس طرح پر ہم آہنگ کیا کہ جو خمسہ،
...ل اور رباعیات وغیرہ کے واسطے موزوں تھے۔ بالآخر امیر کی یہ کوشش
...اور ہندی اور ہندو مسلمان دونوں فرقوں نے اس کو پسند کیا۔ صوفیوں نے
...ی خلوت کا رنگ دے کر عشق حقیقی کی کیفیت پیدا کردی اور یہ
...ایسے مقبول ہوئے کہ ان کی شہرت اطراف عالم میں ہوگئی۔ خدا کی
...ثنا۔ رسول خدا کی نعت سننے کے واسطے دور دور سے اہل ذوق
...نے لگے۔

...اسلام میں علماء نے موسیقی کو ناجائز قرار دیا تھا لیکن
...زمانے میں ایسا ہی تھا ہے جو تصوفانہ غزلیں گا کر

روحانی سرور حاصل کیا کرتے تھے چنانچہ شمس الدین التمش کے زمانے میں قاضی
سعد الدین صادق اور منہاج السراج کے اثرات سے موسیقی کو [illegible]
قرار دے دی گئی تھی۔ لیکن چشتیہ قاضی حمید الدین ناگوری کی تبلیغ اور [illegible]
دہلی کے لوگوں میں دوبارہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ بلکہ ایک زمانے میں تو وہ بہت سے
سماع کے رکن تھے۔

شمس الدین التمش نے بھی پابندی کے حکم کو منسوخ کر دیا تھا اور دربار میں
اس کی اجازت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا فیروز شاہ بھی موسیقی کا بے حد
دلدادہ تھا یہاں تک کہ اس نے ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۶ء میں یعنی ایک ہی
سال میں اپنی سلطنت اس شوق پر قربان کر دی۔

شاہ بلبن کے دربار میں بھی موسیقی مقبول رہی اس کے دربار میں عبداللہ
ترکی ایک مشہور گویا بھی تھا اور شیخ بہاؤالدین زکریا کے مریدوں میں سے تھا اور
زمانہ امیر خسرو کا تھا۔ جنھوں نے اپنی قرآن السعدین میں کیقباد کی موسیقی کے [illegible]
درج کیے ہیں۔

اس کے پچاس برس کے بعد ۶۸۶ھ میں جبکہ معز الدین کیقباد تخت
نشین ہوا اس کے زمانے میں موسیقی کا عروج تھا اور [illegible]
والے اور گانے والیاں مست کر دی [illegible]

جلال الدین فیروز خلجی کے زمانے ۶۸۹ھ میں [illegible]
فتوحات [illegible] اور [illegible]
علاؤالدین خلجی [illegible]

...ی زبان۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ محمد تغلق کے
...نے بڑا گویا اور اس کا داروغہ ارباب نشاط امیر شمس الدین تبریز
... الغرض اس زمانے میں دکن اور خصوصاً دولت آباد فن موسیقی کا گہوارہ
بنا ہوا تھا۔ اس طرح تمام ہندی موسیقی پر عجمی موسیقی کا کافی اثر پڑا اور جس طرح
فارق علویہ نے عربی کی دھنیں فارسی گانوں میں منتقل کر دیں اسی طرح بادشاہوں
... مغنیوں نے اپنے ممالک کی دھنیں ہندوستان میں آن کر گائیں اور نئے
نئے راگوں کی بنیادیں قائم ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ اسی میل جول کی برکت ہے
کہ عجمی موسیقی کے عام پسند راگوں میں زنگولہ جس کو اب جنگلہ اور حجاز کو حجیج
اور نورچپا کہتے ہیں اسی طرح زیلف۔ ایمن۔ درباری۔ عشاق۔ سرپردہ
...اج وغیرہ اسی موسیقی کی پیدا شدہ یادگاریں ہیں جو آج مقبول عام ہیں
بوعلی سینا۔ سلطان حسین شرقی اور امیر خسرو کے بعد بھی مسلمانوں
نے فن موسیقی کو اپنی ہی سرپرستی قدر دانی اور حفاظت میں پروان چڑھایا
...ی دی اور جس قدر بہترین موسیقار پیدا ہوئے وہ تقریباً سب ہی
...ان تھے۔ مثلاً امیر خسرو کے بعد گجرات میں عمر سلطان۔ جونپور کے سلطان
حسین شرقی۔ شاہ اکبر۔ محمد شاہ رنگیلے۔ لکھنؤ کے آصف الدولہ بہادر
...علی شاہ۔ موسیقی کے مربی رہے۔ تان سین۔ تان رس خان۔ نظام الدین
...ستان۔ بڑودے کے عنایت خان۔ ان کے علاوہ بھی طبلہ۔
...گی ستار اور سرود کے ماہر بھی مسلمان ہی تھے۔ مثلاً رحیم خان دہلوی
...دہلوی۔ امراؤ خان گوندھ ہ۔ برکت علی خان عرف سانو لیا

فرخ آباد: نواب حشمت جنگ فرخ آباد، نواب علی نقی خان، در سلطنت لکھنؤ عرف قطب الدولہ بریلی شاگرد پیارے خان۔ خواجہ دار بی صاحب گی نواز، سانگی خرم بندوخاں دہلوی وغیرہ بے شمار استاد گزرے ہیں جنھوں نے اس فن میں کمال حاصل کر اور یہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً نوے فیصدی ہے۔

زبان اردو کی طرح موسیقی بھی مشترکہ چیز ہے جس میں عرب عجم ہندوستان سب ہی کا حصہ ہے۔

عروض اور قوافی

امیر کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ ہر پابندی سے بے نیاز تھے۔ وہ فطری شاعر تھے اور اوزان شعر پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ مشکل سے مشکل بحر میں بلا تکلف شعر کہتے تھے، چنانچہ مثنوی نہ سپہر میں ایسی بحر کو کام میں لائے ہیں جو مثنوی میں ان سے پہلے کسی دوسرے شاعر نے استعمال نہیں کی۔

ایک مرتبہ کسی شاعر نے ان کو کسی موقعہ پر مورد طعن و طنز بنایا تھا جواب میں سلسلہ میں ایک جگہ کہتے ہیں ؎

ایکہ می گوئی مرا خسرو نمی دانی عروض — من چہ محتاج عروضم تا کنم گفت و شنو
نظم سنجیدہ ہمی گویم بموزونی طبع — نکتہ سنجیدہ باشد وقت سنجیدن گرو
می ترازو دارم و تو در ترازو می نہی — کیست زین ہر دو کہ ہمی سنجد...

بحر اور اوزان

چونکہ گانے کا تعلق نظم سے ہے اور نظم بلا کسی بحر کے نظم نہیں کہی جا سکتی اور بحر کے واسطے اوزان کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بلا اس کے تال اور سم کا ساتھ نہیں ہو سکتا اس وجہ سے امیر خسرو نے بحر اوزان اور تال سم کے بھی قواعد مقرر کیے۔ ہندی گانوں کا دارو مدار سر، لے اور تال سم پر ہے۔ فارسی میں اسی کو نغمہ، ادارہ اور اوزان کہتے ہیں اور تمام عجمی گانوں کا دارومدار وغیرہ اور نغمہ پر ہے۔

ہندی تالیں ساڑھے بارہ تالیں بتلائی جاتی ہیں اور امیر نے چوبیس ۲۴ بحروں میں تالیں ایجاد کی ہیں جن کے اقسام حسب ذیل ہیں:

بحر ہزج۔ بحر ترکی۔ بحر دومک۔ بحر دور۔ بحر ثقیل بحر خفیف۔ بحر چہار ضرب۔ بحر درافشاں۔ بحر رابین۔ بحر ضرب الفتح۔ بحر فاختہ۔ بحر رمل۔ بحر تقارب۔ بحر طویل۔ بحر رجز۔ بحر کامل۔ بحر بسیط۔ بحر تصریح۔ بحر منسرح۔ بحر سریع۔ بحر مجتث۔ بحر مرتفع۔ بحر مقتضب۔ بحر وافر۔

ان بحروں کے علاوہ جو ہیں ان کی تشریح یہ ہے:

بحر التقارب المثمن المقصود

ایا عارضت رشک خورشید ماہ	گرت در تقارب شود اشتباہ
فعولن فعولن فعولن فعول	بخوانش دریں وزن ہر صبح گاہ

بحر الہزج الرباعی المحذوف

گل غنچہ ز شرم دہن ہست دو صراب گر دیست دامن گل بر عطر است
مفعول مفاعلن مفاعیل دو فاع بحر ہزج ایں ست گر اندک نکرست

بحر الرجز المثمن السالم

اے ماہ روئے گلبدنے دلبرے شیریں دہاں
خورشید رویاں را شدہ ذکر لبت حد زباں
مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن
ایں ست تقطیع زیر بر خواں چو محل بر زباں

بحر المضارع المثمن المخذوف

اے سیمبر کہ ہست رخت ہمچو خارہ لخت
تاں در ہوائے گل تو چوں بیت لخت لخت
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

×

قواعد تقطیع

[illegible] اوزان

اور موسیقی سے بتلانے کی غرض سے ذیل کا طریقہ پیش کیا جاتا ہے:
تقطیع اوّل تقارب المثمن کو [illegible] کے ساتھ کیجیے

کریما بہ بخشائے بر حال ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

یہ تو ہے شعر۔ بحر اس کی فعولن فعولن فعولن فعول ہے۔ اس بحر کے گویا چار حصے ہیں۔ ان حصوں کی گردان اس طرح پر ہے

کریما فعولن۔ بہ بخشا فعولن ئے بر حال فعولن ما فعول

یہ ٹکڑے تقطیع میں یکسانیت پیدا کرنے کے واسطے کیے جاتے ہیں شعرائے متقدمین نے بھی حروفوں کے ٹکڑے عروض میں جائز قرار دیئے ہیں۔

موسیقی سے ان ٹکڑوں کی یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے یکتالہ ٹھیکہ مقرر فرمایا ہے یعنی۔ دھی۔ ترک۔ دھنا۔ دھا۔ تو۔ تا۔ کتا۔ گائے میں اس تال کی ضرب برابر چلی جاتی ہے اور دوسری دھی پر صورت سم کی ہے۔ اور بحر ہذا میں لفظ فعول رکن چہارم پر ظاہر ہوتا ہے اور آٹھ بحر المثمن السالم میں بھی کہ جس کے چاروں حصے برابر ہیں ٹھیکہ ایک تالا نہایت موزوں ہے اور ٹھیکہ جھپ تالے میں بھی یہ وزن صحیح ہوتا ہے۔ ضرب کے علاوہ دونوں تالوں کی ایک صورت ہے۔ چنانچہ چوتالا دھرپد کا ایک ہی طرح یک تالے میں بھی گانا بجانا ممکن ہے۔

حضرت امیر خسرو نے بحر [illegible] کا [illegible] تالا [illegible] میں موزوں کیا ہے۔ یہ تالا چار ضرب کا [illegible]

اور اس میں بھی دو ضرب یعنی دھا کی ضرب پر سم ہے۔ اس طرح پر چار رکن بحر مذکور کے ہیں مثلاً فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلن۔

تقطیع بحر ہذا ملاحظہ ہو۔ مصرع یہ ہے

"اے پیارے کے میانت ہچو موئے در کمر"

اے پیارے	کے میانت	ہچو موئے	در کمر (خالی)
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن (خالی)
تا دھن دھا دھا	دھن دھا دھا	دھن دھا دھا	تن تا (خالی)

غور فرمایئے کہ تن تا کا درجہ خالی رہا اور فاعلن آخری رکن خالی پر پڑا اور لفظ در کمر کے مقابلہ میں خالی دھی اور دوسرے رکن کے فاعلاتن پر سم ہے اور اس سے پہلے لفظ کے اوپر سم ہے اور اس سے مقابلہ میں دوسری دھی پر سم ہے یہ تال چار ضرب کی کہلاتی ہے جن میں تین ضرب بھری اور ایک خالی ہے بحر خفیف المسدس المخذوف جس کا وزن تال سول فاختہ پر ہے۔

یعنی چکیت تال ہے اور یہ دونوں تین تین ضرب کی ہیں۔

اے خط رشک خشک تا تارے

ذوق بحر خفیف گرد آرے

[illegible] میں ضرب پہلی کی برابر ہیں اور ایک ضرب آخر میں وقفہ سے [illegible] پیدا اور دوسری ضرب لا چہ اور تیسری ضرب مفاعلن

[illegible] پنجھ پہنداولا کی چپک تال ہے۔ جس کے معکوس کرنے سے سول چپک اور چپک سول ہو جاتی ہے۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ امیر نے چار بول یعنی چار لفظ ڈھولک کے پکھاوج میں سے جداگانہ نکال کر تالیں مقرر کی ہیں یعنی کر، کرڑاں، گت، چھا۔ ورنہ خالص پکھاوج کے بول ہیں۔ کر۔ جھن۔ الٹ۔ گھن۔ نا۔

جس وقت امیر خسرو نے بجائے پکھاوج کے ڈھولک ایجاد کی تو اس کے قواعد اور بول علیحدہ کر کے گتیں ایجاد کیں۔ پکھاوج میں پہلے چار لفظ یہ تھے تد، دت، تھن، نا۔ امیر نے ان کی بجائے یہ چار بول قائم کیے یعنی کرڑاں، کٹ، چھا۔ اس کے بعد جھن اور جھنان، گھن اور گھناں۔ گا، تیتا، تاگی۔ دھی وغیرہ سے سترہ تالیں مطابق اوزان عجمی کہ جن میں تیرہ بحریں مروج کیں۔

[illegible] پشتو۔ فرودست۔ قوالی۔ سول فاختہ۔ جت۔ تتالہ۔ سواری۔ آڑا چوتالا۔ جھمپ۔ پنجابی سواری۔ داستان۔ خمسہ۔ فرودست۔ قید۔ پہلوان۔ [illegible] چپک تال۔

[illegible] نقش گل رباعی وغیرہ گائے جاتے ہیں۔ ٹھیکہ [illegible] ہے۔ دھن۔ دھگ۔ تہ۔ ٹا۔ تہ۔ کے اس میں پہلی ضرب پر سم ہے اور دوسرے طریقہ سے دوسری ضرب پر بھی سم ہو سکتا ہے۔ [illegible] بلا دھی۔ دوسرے کو کہتے ہیں۔ یعنی تہ [illegible] تیسری ضرب دوسری دھن پہ پڑی

دوسری ضرب پر اور تیسری پر خالی ہے یعنی شروع ہوتا ہے حفظ سے تیسری ضرب تو پردم
یعنی وقفہ دے کر بجتی ہے اور سم حرف حا پر یعنی جو اوّل ضرب ہے مقرر کیا گیا ہے
۵۔ جت ۔ یہ تال ہوری سے مشہور ہوئی ہے ۔ یعنی اس تال پر لقش
گل کے علاوہ ہولی غزل ٹھمری بجری گائی جاتی ہے ۔ لیکن عام طور پر یہ ہولی کے
واسطے مخصوص ہے ، اس میں تین ضربیں ہیں ، دوسری پر سم ہے ٹھیکہ اس کا تو الفاظ
کا ہے ۔ دھن ۔ جھا ۔ دھن ۔ دھا ۔ دھن ۔ جا ۔ گے ۔ تن ۔ تا ۔ بہرحال
دوسری پر سم ہے اس لیے لفظ دھا پر دوسری ضرب ہے اور سم صحیح ہو جاتا ہے
اس کے بعد پڑن اور لے داری تیز دستی پر منحصر ہے ۔
۶ ۔ چار تال اکتالہ اس میں تین ضرب پوری ایک خالی ہوتی ہے ۔ باقی
حصے کو وقفہ اور دم کہتے ہیں ۔ بجانے والا جب پلٹتا ہے تو ضرب اوّل پر
پہنچتا ہے بس اسی کو سم کہتے ہیں اور کوئی تال ایسی نہیں ہوتی جس میں سم نہ ہو ۔
موجودہ زمانے میں اس ٹھیکہ کو ستار خانی یا ستار خانی بھی کہتے ہیں ۔ ورنہ اصل
اس کی ٹیپ ہے جس کو پلٹ کہتے ہیں اور اس میں وقفہ ایک حرف سے
زیادہ نہیں ہے ۔ اگر بیچ کی صورت الگ کی جائے تو صورت تتا بیچ کی
صرف پڑ رہ جاتی ہے ۔ تین ضرب متحرک کے عرصہ میں وقفہ خالی اور بھری کا
یکساں ہے ۔ اس کے کل آٹھ حروف ہیں مثلاً ضرب الف ۔ ضرب الف ۔
خالی الف اس کے بعد ضرب سے شروع کرے اور ضرب کی بجائے تو آگے
چل کر حرف الف شمار میں رہ جاتے ہیں ۔ ٹھیکہ اس کا بارہ لفظ کا ہے ۔
دھن دھن / دھا / تک / تا / دھا / تک / تا / دھا ترک / دھی نا / آخری

ضرب کا وقفہ خالی ہے اس کے بعد اس کے تا تانا دھن تا کٹ تا ... ضرب

یعنی دو ہیں اور درمیان میں دونوں تا خالی سے خالی نہیں ہیں۔

۷۔ سواری: یہ تال چار ضرب کی ہے اور ہر ایک ضرب کے بعد ایک

زمانہ کا وقفہ خالی ہے اور چاروں ضرب کے بعد وقفہ برابر ہے۔ چاروں ضرب

متحرک ہیں۔ ٹھیکہ اس کا بیس لفظ کا ہے۔ دہ دہ تا دہ ترکٹ دھج

جا کت تا دھی دھی تا دھی دھی نا تی ترکٹ تن تا دھا تگے

تو نا کٹ تا کٹ تا۔ لفظ دھج پر سم تصور کرنا چاہئے۔

۸۔ آڑا چوتالہ۔ اس تال میں بھی چار ضرب ہیں۔ جن میں چار ضرب

بھری باقی خالی ہیں، تیسری ضرب پر سم ہے۔ ٹھیکہ اس کا چودہ ماترے

کا ہے۔ دھی دھی / دھا ترک / تو رٹا / دھی دھی / تا دھی /

سم ۴ ۵ ۵ ۲

دھی تا /۔ بعض نے یہ ترتیب کی ہے۔ دھی دھی تا۔ دہ دھنا۔ دھی ترکٹ

دھج جا۔ دھاگے تو تا کٹ تا۔ اس میں پانچویں دھی پر تیسری ضرب

پڑتی ہے گویا دھی سم ہوا۔ اس میں دو ضرب برابر پڑتی ہیں اور دو ضرب

میں ایک ایک ضرب کا وقفہ خالی دیا جاتا ہے۔

۹۔ جھومرہ یہ تال تین ضرب کی ہے اور ایک ضرب کا وقفہ تین

ضربوں کے بعد خالی دیا جاتا ہے ٹھیکہ اس کا چودہ لفظوں کا ہے

دھن دہ ترکٹ / دھن دھن دھاتت / تن تا ترکٹ

دھن دھن دھاتت / ۔ بعض نے اس تال میں اضافہ کیا ہے

ہوتا ہے اور اس میں دھی پر سم ٹھہرتا ہے اور تال ہندی دو تک
چونکہ دونوں ضرب کی ہے مگر جھومرا دو پک میں اور روپک جھومرے
میں کھپ جاتا ہے۔

۱۰۔ سواری زنانی: یہ تال پانچ ضرب کی ہے۔ اس میں پانچویں ضرب پر
ایک ایک ضرب کا وقفہ خالی رہتا ہے۔ زنانی سواری میں تیس ماترے اور مردانی
سواری میں بتیس ہیں۔ دھی تک دھی تاک / دھی دھی تاک / دھی دگی تاک /
تی تا پرسم، تی تا ترکٹ / دھی نا دھی دھی / تا دھی دھی نا / دھی
ای نا / ادھی ای دھی / ای تا آدھی / دھی نا دھی دھی نا / اوّل پشتو
دوم ذو بحر سوم قوالی چہارم سول فاختہ وغیرہ جیساکہ بیان ہو چکا ہے
ڈھولی اور قوالی میں رائج ہیں۔

۱۱۔ داستان: یہ تال پانچ ضرب کی ہے اور نقارے میں بجائی
جاتی ہے ٹھیکہ اس کا بیس لفظ کا ہے کا تا کا تا کت کٹ کا تا کت
گی دھی گھج جا کت گی دھی گی دھی گی دھی گھج جا۔

اس میں پانچوں ضرب پر سم ہے دو ضرب کے بعد دو دو ضرب کا
ایک ایک ضرب میں تین ضرب کا وقفہ خالی رہتا ہے اور تین ضرب برابر
مثل تال تیورا ہندی کے پڑتی ہیں اور آخر میں لفظ جھا پر سم ہے۔ وقفہ کا
اندازہ اس تال میں رکھنا دشوار ہے اور پہلی ضرب تیسری تا پر ہے دوسری
پانچویں تیسری دھی اور چوتھی گھج پر اور پانچویں تال جھا پر ختم
ہوتی ہے

ٹھیک بھاؤ ہے۔ یعنی پہلی ضرب کے بعد خالی وقفہ میں ایک ضرب اور پھر دو ضرب اور پھر دو ضرب برابر پڑتی ہیں۔ اس ٹھیکہ میں بھی بعض نے یہ تبدیلی کی ہے کہ بات لفظ کا ہے۔ دھم کرٹ تک دھا دھا کٹ تک، اس میں تیسری ضرب جو دوسری دھا پر ہے وہی اس کا سم ہے اور پہلی ضرب جو دھم پر ہے وہاں سے لے کر کٹ تک کا زمانہ خالی ہے۔

۱۸۔ پشتو۔ چار تال تت ک دھن / دھا دھا / دھی ان /

ان سب کے بعد امیر خسرو نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جس طرح سول فاختہ کی تال میں اول دو ضرب لفظ حقا کے اور دونوں تالوں پر ایک ایک ضرب ہے اور تیسری صرف تو پر ہے، اسی طرح چپک تال بھی صدائے قمری پر تصور کرنا چاہئے کیونکہ وہ حق سرہ کہتی ہے اس لیے ان تال میں پہلی ضرب لفظ حق پہ ہے اور دو ضرب میں ایک ضرب سر اور دوسری ضرب ہو پر ہے اور دونوں ضرب میں برابر پڑتی ہیں یعنی جس طرح کہ شروع میں دو ضرب اور آخر میں ایک ضرب سول فاختہ میں ہے۔ تال چپک میں اول ایک ضرب ہے اور آخر میں دو ضرب ہیں۔

فارسی ترانہ مع تال اور سم

تنہ درنانا درد نم — تنہ درنانا درز در نم

دو یک — دو روپیہ

وش وش بون — وش وش لون وش وش لون

دش دشش دش دش

روانی

دش نکہ دشش لون

نیم دور

دش لون نکہ دشش

دش دش لون

نالہ

دش تہ دشش لون

خنجر

دش لون لکہ دش دش

لون دش دش لون لون

سماعی

دش دش لون لکہ دش لون

دش دش ——— لون

شک ضرب

لکہ لکہ نگا دشش

دش دش لون لون دش دش

دش دشش ——— لون

بسیط

دشش لون دشش

دش لون

چپ انداز

دش تہ دشش لون

نیم ثقیل

نکہ نکہ نکا دش نکا دشش نکہ نکہ

نکا دش نکا دش دشش لون

مخمس

لکہ لکہ نکا دشش نکا دش

لون دش دش لکہ لکہ لکا دش

دور حقیقی

دش لون [illegible] دش لون

لون دش لون دشش [illegible]

دش دشش [illegible]

دش [illegible]

[illegible]

قلبانہ

قلبانہ کی اصل قلبۂ ہے امیر خسرو نے زبان عربی کو ہندی میں ملایا ہے یا تال سواری اور تتالہ استائی بول ہیں لقد صدق قولہٗ تعالیٰ " انترا امیر خسرو بل بل جاویں "۔ حضرت نظام الدین کے دربار گاویں۔

قلبانہ اور قول کہ جس کی اصل قولہ ہے کچھ عربی اور کچھ الفاظ ترانے کے ملا کر ایجاد کیا ہے۔ استائی تال تتالہ۔ حتیٰ یا درد رتا لا لا سے۔ حسن و نظام الدین اولیا دیم دیم درِ درِ درِ تتنے۔ تان یہ ہے تتلے تنا تا تا نا تا نا تا۔ انترا یہ ہے۔ فاینما تولو فثم وجہ اللہ در تم درتم توم توم تنا نا نا نا۔ در دے تتلے تتلے دراجالم دیم دیم در در در در تلے تان تتلے نا نا نا۔ اس کے بھی انترے سے تال بدلتی ہے اور نقش گل میں تال نہیں بدلتی ہے اکثر یہ تال پشتو اور قوالی میں گائی بجائی جاتی ہے۔

نقش سے مراد رباعی اور گل سے بیت ہے گویا مختصر سا ایک شعر ہے بقیہ اوزان میں تالیں بدلتی ہیں اور دہرپد کی بجائے کہ اس میں چار پانچ چرن ہوتے ہیں (اور بعض میں دو چرن بھی ہوتے ہیں) امیر نے خیال مقرر کیا۔ جس میں صرف دو ہی چرن ہیں لیکن تانیں اس میں بحر اور عجمی زمزمہ پر رکھیں جس کو ... گٹکری کہتے ہیں۔

اصلیت یہ ہے کہ ہندی میں پہلے گٹکری نہ تھی اور اب بھی اس میں ... معیوب میں داخل ہے اسی وجہ سے امیر نے اس کی بجائے پرنبد

کا ترانہ بنایا اور وہ ایسا مقبول ہوا کہ سننے والوں کے علاوہ خود گانے والے
بھی محو حیرت رہ گئے۔

ڈھولک اور طبلہ بھی پکھاوج پر غالب آ گئے اسی طرح ستار کے
پردوں نے بین کے پردوں کو شرما دیا۔ اس زمانے میں بھی قوال تقریباً ہر جگہ موجود ہیں
لیکن ایسے بہت کم ہیں جو قول اور قلبانہ سے بخوبی واقف ہوں ورنہ عام طور پر
جو خیال وغیرہ گاتے ہیں وہ بھی قوال کہلاتے ہیں۔

جیسا کہ شروع میں بیان ہو چکا ہے امیر نے دھرو، دھوا، ماٹھا، چندو
پربند، گیت، دھرپد کی بجائے خیال۔ قول۔ قلبانہ۔ نقش گل اور ترانہ ایجاد
کیے اور جس طرح پر کہ دھوا، ماٹھا اور چندو کی تالیں بدلتی ہیں، اسی طرح قول قلبانہ
وغیرہ میں بھی تالیں بدلتی ہیں۔

قدرتی طور پر جوش اور جذبہ کی حالت میں جو الفاظ تم تے ہو وغیرہ
کے نکلتے ہیں ان کو حضرت امیر نے ان الفاظ میں منتقل فرمایا [illegible]
تا نون بروزن تو۔ وان بروزن جان وان مقرر کیے الاپ
بروزن کتاب مقرر کیا۔ اس سے زیادہ الاپ اس قسم کے [illegible] یعنی خیال
قول۔ قلبانہ، نقش گل اور ترانے میں نہیں ہیں اگر [illegible]
یہ راگ گویا امیر کی امانت ہیں۔ [illegible]
میں خیانت نازیبا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے [illegible]
یا ان کی شکل تبدیل ہو جائے گی۔ الاپ [illegible] کی اور [illegible]
گانے کو پر لطف بناتی ہیں لیکن [illegible]

...تابل فہم ہوجائیں تو وہ عیب میں داخل ہے اس کے گانے میں جو تان لی جائے وہ بھی اسی راگ کی ہونی چاہیئے جس میں وہ غزل گائی جارہی ہو۔ اگر ان دونوں باتوں کا لحاظ نہ رکھا گیا تو قوالی بے لطف ہوجاتی ہے۔

ترانہ

ترانہ بروزن فسانہ و لفظ تنا بروزن ثنا، یسم و ددر بروزن سرا در نا بروزن جا اور توم بروزن موم، تنا بروزن فنا، اس کے علاوہ اور حروف مفردات مثلاً تا، دال، نون، الف، یا میم، را، واؤ۔ یہ آٹھ حروف ہیں ان کے علاوہ پھرکٹ، تروٹ، بروزن سلوٹ مستعمل ہیں اگر آٹھ حروف سے زیادہ ہوئے تو ترانے کے شمار سے باہر ہوجاتے ہیں۔

امیر نے ترانہ بزبان فارسی ایجاد کیا۔ یعنی در آ در آ۔ در آ آ۔ درتنم۔ در آ جان من۔ در آ۔ در آ۔

بتنگ آمدہ ام چند انتظار کشم
بیا بیا کہ ترا تنگ در کنار کنم

ترانہ سوہے کا اور آل پنہ دست کی ہے درصل اس کی تال خمسہ کی ہے۔ ترانہ یہ ہے: درا درا تیلے۔ درانے ما اشل لایئے۔ اشل لایئے ... ...سے خروج ہے

برندی و بشوخی ہمچو خسرو
...الان خانماں برکندہ باشی

ستار

امیر نے بین کی بجائے ستار ایجاد کیا۔ بین میں سات تار دو تونبی اور
ساریں ہوتی ہیں اور دو مضرابوں کو چھنگیا انگلی میں پہن کر بجائی جاتی ہے وہ ساز
جن میں تار ہوتے ہیں ان کے بجانے کے صرف دو ہی طریقے ہیں یا تو مضراب
سے یا بالوں کے کمانچہ سے۔ مضراب کو تت اور کمانچہ کو تبت کہتے ہیں
اور لکڑی کے ٹکڑے کو چیں سے بجاتے ہیں۔ اس کو گھن کہتے ہیں۔

ستار کا اصلی ابتدائی نام سہ تار اور سرود کا سہ رود ہے وجہ
اس کی یہ ہے کہ ان دونوں باجوں میں پہلے صرف تین تار تھے اور تین تانت
تھیں۔ امیر نے ستار میں ایک تار آہنی اور دو برنجی لگا کر نصف تونبہ سے
بین کی مشابہ بنا دیا۔

ستار میں ایک سپتک کامل اور دو سپتکیں ناقص ہیں یعنی سپتک
اول مدھم سے سپتک میانہ تک اور (سپتک دوم) سپتک میانہ سے
گندھار تک ایک سپتک زائد چڑھی ہوئی خط گندھار تک ہوتی ہے جس
کو امیری سپتک کہتے ہیں البتہ بیچ کی سپتک کامل ہے

حضرت امیر نے جو قواعد مقرر کیے وہ یہ ہیں
بیچ کی سپتک کو کامل کیا، جب یہ تین سپتکیں [illegible]
کے ساتھ اس میں چھ تار اس طرح پر لگے کہ
اول تار باج کا، دو تار برنجی [illegible]

برنجی گنڈ اور پھر ایک تار آہنی اس کی برابر جس کو چکاری کہتے ہیں، جو تار برنجی ہیں وہ کھرج کہلاتے ہیں، جو باج ہیں ان کو بحساب مدھم کوک کہتے ہیں سیدھے ہاتھ کی طرف کھرج آہنی اور برنجی ہوتی ہے، پنچم اور چکاری ہم وزن مدھم ہوتے یا سر کے مطابق ہوتے ہیں اور سبتک دوسری اور تیسری میں کام آتی ہے۔

سبتک اول میں قواعد کوک ستار کے اس طرح پر ہیں کہ : ڑا ڑا ڈر (یہ لفظ سیدھے ہاتھ سے نکلتے ہیں) اور لفظ ڈاؤن میں آواز بائیں ہاتھ کی انگلی سے نکلتی ہے جس مینڈ کہتے ہیں۔

ڈر ڈر انگلی کو اوپر سے نیچے کی طرف کرنے سے پیدا ہوتی ہے جو بائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی سے تار کو کھینچ کر پیدا کی جاتی ہے مثلاً ڈر ڈر ڈرار ڑا یا ڈر ڈر در در ڈرڈر درڑ در ڈر، ڈر، ڈرار، ڈرار، درار ڑا یا دا، را، را را، یا ڈرڑ، ڈرڈ مقرر ہیں۔ اس کے بعد کمال حاصل کرنا ریاضت پر منحصر ہے۔

گت یمن : دِر دا دِر دا را (دا دا سم) را۔ دِر دا دِر دا را (دا خالی) دا را۔

جب ٹکڑا گت ختم ہو تو پھر گت کو اول سے ملا دو۔ دلہرا دا دا را دِر دا دِر دا را (دا خالی) دا را۔

پھر دِر دا را (دا سم) در دا را، دا در دا را (دا دا را خالی)

گت زیلف : (تال تتالہ) دِر دا در دا را (دا دا سم) را در دا دا را (دا دا خالی) را در دا دِر دا را (دا دا را خالی)

...استعمال کرتے ہیں جسے تاد پڑھا دکو سمجھایا جائے، یا آوازوں کے ایسے نشانات
یا علامات مقرر کیے جائیں جن سے ان کی شناخت ہو سکے، ایسے علامات کو
... کہتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) سُرگم - سا - رے - گا - ما - پا - دھا - نی -
یہ بیچ کی سپتک کے چڑھے سُر ہیں - جو تیور ہیں -

(۲) سا - رے - گا - ما - پا - دھا - نی - ان میں جو حروف کٹے ہوئے ہیں وہ بیچ کی سپتک کے اُترے ہوئے سُر ہیں یا جو کومل ہیں -

(۳) سا - رے - گا - ما - پا - دھا - نی
یہ اوپر کی سپتک کے چڑھے ہوئے سُر ہیں جو تیور ہیں -

(۴) سا - رے - گا - ما - پا - دھا - نی
جو حروف کٹے ہوئے ہیں وہ اوپر کی سپتک کے اُترے سُر ہیں جو کومل ہیں یا علامات زبر کی ہیں -

(۵) سا - نی - دھا - پا - ما - گا - رے - سا -
ان زیر کی علامات کی وجہ سے یہ نیچے کی سپتک کے چڑھے سر ہوئے جو تیور ہیں -

(۶) سا - نی - دھا - پا - ما - گا - رے - سا -
ان علامات کی وجہ سے یہ کومل ہوئے

(۷) سا - رے - گا - ~~~~ - ان علامات سے مطلب ہے سا - رے - گا - گا - گا - گا - گا -

(۸) گا ۔۔۔۔ او ۔۔۔۔ کا مطلب یہی ہے کہ
گا آ۔آ۔آ او۔او۔او

(۹) گا ما اس علامت سے یہ مراد ہے کہ ایک ہی ماترے میں گا
اور ما دونوں سُر ہیں۔

(۱۰) گا۔ما۔پا اس علامت سے یہ مراد ہے کہ ایک ہی ماترے میں
تینوں سُر ہیں۔

(نوٹ: ماترے سے مراد نبض یا گھڑی کا ایک کھٹکا یا ایک حرکت)

(۱۱) X اس علامت سے مراد سَم ہے۔ جہاں گانے کا حصہ
ختم ہوتا ہے۔

(۱۲) ○ یہ علامت خالی کی ہے جس سے سَم کا حساب لگایا جاتا ہے

(۱۳) X ۔۔۔۔ / ۲ ۔۔۔۔ / ○ ۔۔۔۔ / ۳ ۔۔۔۔
یہ سولہ ماترے کی تین تال ہیں۔

(۱۴) X ۔۔ / ○ ۔۔ / ۲ ۔۔ / ○ ۔۔ / ۳ ۔۔ / ۴ ۔۔ / ○
یہ بارہ ماترے کا ایک تال کا ٹھیکہ ہے۔

(۱۵) X ۔۔ / ۲ ۔۔ / ○ ۔۔ / ۳ ۔۔ / ○ ۔۔ / ۴ ۔۔ / ○ ۔۔ X
یہ چودہ ماترے کا آڑا چوتالہ ہے۔

(۱۶) X ۔۔ / ۲ ۔۔۔ / ○ ۔۔ / ۳ ۔۔۔
یہ دس ماترے کا جھپ تال کا ٹھیکہ ہے

(۱۷) مردوں کے واسطے سا یعنی گانے کا سر [illegible]

ملتا ہے ... ضرور درست ہو گا۔ یہ بخوبی سمجھ لینے کے بعد آپ کو راگوں کے سمجھنے
میں آسانی ہو جائے گی۔

امیر کے ایجاد کردہ راگوں کے گانے کا طریقہ

راگ مجیب یا مجیر

یہ راگ کافی ٹھاٹ کا ہے اور شاڈو سمپورن ہے۔ آروہی میں گا
ورجت ہے (یعنی معدوم) اور امروہی میں وکرت ہے، جس میں ٹیڑھا گا ما
رے سا ہے۔ اس میں رے ما پا گا ما رے سا کی تان آتی ہے جس
سے ملار کا رنگ یعنی صورت کا شبہ ہوتا ہے۔ اس میں دھیوت وادی اور
گندھار سم وادی ہے اس وجہ سے دن کے وقت گانا چاہیے۔ اس میں
امیر خسرو کی قوالی کا رنگ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہ زیادہ تر ورت سے میں گایا
جاتا ہے اور خاندانی قوالوں کے گھرانے کا خیال کہلایا جاتا ہے۔
یہ راگ مشر میل یعنی ایک سے زیادہ راگوں سے مرکب ہے۔
آروہی اس کی سا رے ما پا دھا نی سا ہے اور امروہی اس کی
سا نی دھا پا ما پا نی گا ما رے سا اور بول اس کے یہ ہیں:

حضرت نظام الدین اولیا پیر مشائخ نور۔
آن ملے دو یار تمہارے۔ خسرو پر کرپا
کہا اے انبیاء پیر مشائخ نور

تال
استھائی
انترہ
تانیں

راگ سازگری

یہ مارواٹھاٹ کا سمپورن راگ ہے۔ اس کا سروپ یعنی شکل نئی ہے گا اس کا وادی سر ہے۔ اس میں دونوں دھیوتوں کا رواج ہے جانے میں تیور اور آنے میں کومل ہے۔ اس میں نکھاد اور مدھم کی سنگیت ہے۔ شدھ مدھم کم لگائی جاتی ہے گانے کا وقت شام کا ہے یہ راگ پوریا اور پوربی کے ملنے سے پیدا ہوا ہے چونکہ رنگ پوریا کا ہے لہذا اس کو مندر اور مدھ استھان سے گانا چاہیے۔

آروہی اس کی نی ۔ رے۔ سا۔ نی۔ دھا۔ نی۔ رے۔ گا۔ ما گاما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا، ہے۔

امروہی۔ سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ دھا۔ ما۔ گا۔ رے۔ سا۔

خیال ایک تالہ الفاظ یہ ہیں:

چنگے کام ہووے آسان۔ نت چین پر بیٹھے ہی۔ دربار ہووے اپن آرام۔ اولیا کے چرن پر ہووے شام نت چین مٹت دلدر دہام۔

استھائی

۵ ۶	۴ ۶	۵ ۶	x ۶	۲ ۶	۵ ۶	۳ ۶
ہ سا	نی رے	گا رے	ما ما	گا رے	ء سا	ء سا

راگ امین کلیان

کلیان ٹھاٹ کا پہلا راگ ہے جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ معارف النغمات صفحہ ۱۰ میں ہے۔ اس راگ میں گندھار گرہ انش اور نیاس کا سُر ہے۔ راگ کا وقت شام، شام کے گانے کا ہے۔ بعض پرانے پنڈتوں نے بھی اپنی کتابوں میں اس کو تسلیم کیا ہے۔ کہ یہ راگ ملک فارس کا ہے۔ صوبہ دکن کی پرانی سنگیتوں میں بھی یہ راگ موجود ہے اور ان میں گانے کا وقت بھی شام ہی کا درج ہے۔

تان سین کی مت میں ہے کہ شدھ کلیان امن اور بلاول ملا کر امین کلیان راگ بنایا گیا ہے" اس لیے گاتے وقت ان تینوں راگوں کا ثبوت ملنا چاہئے" یہ راگ سمپورن ہے اور آنے جانے میں ساتوں سُر لگتے ہیں اور دونوں سُروں سے گایا جاتا ہے۔ گا ما پا رے سا، شدھ کلیان کا ثبوت ہے باقی سر امین کے ہیں۔

آروہی : سا رے گا ما پا دھا نی سا۔

امروہی : سا نی دھا پا ما گا ما گا رے سا۔

وادی : نی سمواد ی گا ہے۔ گانے کا وقت غروب آفتاب کے بعد ہے۔

گانے کے الفاظ یہ ہیں

گنی جا گو گنی پہچانو گنی بین سوار طو گنی گنی نہ کرو چت دہرو دھیان کرو۔

مورکھ باورے۔ جب کرتار کی مہر عنایت ہو۔ تب گنی لے ساپنچی تان۔

طبلہ کے بول: تا دھن دھن ناتا۔ تن تن نا نا۔ دھن دھن نا۔ کلیان ٹھاٹھ تین تال۔

۲ ــــ	۵ ــــ	۲ ــــ	× ــــ
ء ء ما رے	گاما پارے گارے	گی نی پ د	پا ء تو ء
سا نی دھا پا	سا ء سا سا	سارے گا گا	گا گا رے سا
گنی جاتے	سون ء بڑو	گنی گنی	تا کا ر وچی
رے گا ما گا	پا ء پا ما	گا ا گا رے	سا پا گا رے رے
تا دھا رو ء	دھیان ء نے ک	رو ہو را کھے	لے پا ء [illegible] ودا
رو ء نی سا	×		
رہ کرن	×		
پا گا پا ء کرپا	تا ء سا سا	نی ء نی سا	نی دھا نی دھا پا
جا پا کی رے ء	تا ء رے کی	ے ھ ء رے ای	تا ء ء یا تے
پا ء ما گا	گا گا گا رے	سا رے سا ء	سا رے گا ما پا ء نی سا
ہو ء تب	گنی کی ء	سان ء پی ء	آن ء ء ء ء
نی دھا پا ما گا رے سا	×		گا ما گا دھ گا ر
ء ء ء ء نی گونی	×	ــ ــ	نی رے
دھا نی رے سا نی سا			

گوٗنی سارے			
	تال		
۵	۳	×	
نی رے گا رے	سا رے نی رے گا ما	نی دھا پا ما گا ما گا رے	نی رے نی دھا نی پا ما دھا
نی سا گوٗنی	گا رے نی رے	گا ما گا رے	رے سا گا ما
سا رے نی رے گا ما	نی دھا پا ما	نی سا دھا نی	
گا رے نی سا			
رے سا گوٗنی			

راگ عُشاق

یہ راگ بسنت سارنگ اور نوا سے مرکب ہے۔ شاڈوہو یعنی چھ سر جاتے ہیں اور چھ آتے ہیں۔ اس میں گ سند ھار نہیں لگتی۔ سا سے اور پا تک سارنگ کی چال ہے اور پا سے سا تک بسنت کی چال ہے۔ یہ راگ گانے میں آسان ہے۔ اس کا وادی سُر "ما" ہے اور سم وادی سا ہے۔ دن کے وقت گایا جاتا ہے۔

آروہی : اس کی سا۔ رے۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا ہے۔

امروہی : ہا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ ما۔ رے۔ سا ہے۔

خیال : اس راگ کا ایک تال کا ہے، الفاظ یہ ہیں :-

سانچی دہرن سانچی مورن سانچو راگ سانچی تان
جو کوئی گاوے تال سرن میں والو گنی مان
تال سُرن بھید جانے کال اکال پہچانے
جو آپ کو جانے خسرو واکو بڑو گیان

راگ عشاق بھیروں ٹھاٹ

ایک تالہ تال

x ر	۵ ر	۲ ر	۵ ر	۲ ر	۴ ر
دھن دھن	دھاگے ترکٹ	تو نا	کٹ تا	دھاگے ترکٹے	دھن تا
سارے	تا رے	تا پا	ما دھا	تا نی	دھا پا
سان ر	چو دھا	رانے	سان ء	چومو	رانے
ما ر	پا تا	ر تا	رے ر	رے سا	ے سا
سان ر	چورا	ر گ	سان ر	جو تا	آتے
دھا ر	نی نی	سا ء	سا ر	سارے	تا رے
چو ر	آپ کو جانے	گا ء	وے ء	تا ر	ے سو
سارے	سا ر	تا نی	دھا پا	تا رجے	ے ا
راتے	من ر	واکو	گو حن	[illegible]	[illegible]

انترہ

ما ی	پا پا	دھا دھا	نی ی	سا سا	سا رے
ما ی	سو ے	را نے	مے ی	جا رے	نے ی
سا رے	ما رے	سا نی	دھا پا	ما پا	دھا پا
گا ی	سا ا	گا ی	پچھ ے	جا ھ	نے ر
سا ے	ما رے	سا نی	دھا پا	پا دھا	دھا پا
جو ی	کو ری	آ ر	کو پ	جا ع	نے ی
سا نی	دھا پا	ما پا	دھا پا	ما ما	سا رے
خسر	رو ی	وا ی	کو ب	بڑو گیا	نے ی

راگ موافق

یہ راگ ٹوڑی مالوی اور دوگاہ سے بنایا ہے۔ آخرالذکر فارس کا راگ ہے پا اس کا وادی ہے اور سا سم وادی ہے۔ صبح کے وقت گانے میں مزا دیتا ہے۔ ٹوڑی میں دھا وادی ہے اور مالوی میں رے۔

آروہی: اس کی سا رے گا پا دھا سا

امروہی: سا دھا پا گا رے سا

خیال: تین تال۔

بن کے پنچھی بھئے باورے ایسی بین بجائی سانورے -
تار تار کی تان نرالی - جھوم رہیں سب بن کی ڈاری -
پن گھٹ کی پنہاری ٹھاڑی بھول گئیں خسرو پنیا بھرن کو -

بول خیال

استائی

۵	۳	×	۲
ساما ریے گا	ریے ریے سا ء	پا پا مر پا	دھا دھا پا ء
بانے کے ء	پانی چی ء	بہا لے ء یا	وار ریے ء
پا دھا سا ء	دھا ما پا پا	گا ء گا رے	گا رے سا ء
لے سی ء	بی ء بی ب	جا ء ای سان	ء وار ے ء

انترہ

۵	۳	×	۲
پا ء گا گا	پا پا دھا پا	تا ء تا تا	ء تا ء [illegible]
تا ء ر تا	ء ر کی ء	را ء مھ ریے ق	بہ د لی ء
ریے گا رے تا	تا ریے سا تا	تا ریے سا دھا	پا دھا پا ء
بھو ء پر مارا	ہی ء سا یا	یا نا گی ء [illegible]	[illegible]

رے گا پا	دھا ما دھا پا	رے ء ما ء	رے ء سا ء
پا نے گھا ٹھا	کی ء پا نے	ہا ء ری	ٹھا ء رڑی
سا رے گا رے	گا رے سا ما	گا رے سا	گا رے سا ء
بھو ء ل گا	اے خوش رو	پا نی یا بھ	را نے کو

راگ غنم

یہ راگ اوڈو اوڈو یعنی پانچ سُر کا ہے۔ پوربی اور ترہینی
جس کو ترون کہتے ہیں ان سے بہت مشابہ ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے
کہ امیر نے پوربی راگ میں تھوڑا سا تغیّر کر دیا ہے۔ یعنی پوربی میں کڑی غنم
ہے اور اس میں مدھم نہیں ہے۔ بھیر دں میں اتری رکھب وادی ہے اور
اس میں پا وادی ہے۔ پوربی میں سر گا۔ وادی کہے ہیں یہی فرق ہے۔
ترون شری راگ کے مانند گایا جاتا ہے اور اس کی طرز پوربی راگ کی
طرح ہے۔ گانے کا وقت شام کا ہے۔

آروہی: سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا۔

امروہی: سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ گا۔ رے۔ رے۔ سا۔

خیال راگ غنم تال تین تال۔ الفاظ یہ ہیں:

ادرج سنو مورے [illegible] موڑ ہے۔ چرن چھوئے

[illegible] راکھو مورے پیارے۔ تمہیں تو بندھا دُ

دھیر مورے پیر

تین تال

استھائی

۵	۳	x	۲
پا گا پا گا	گا پا گا رے	پا گا گا رے	گا پا دھا پا
ارا جے سو	نو مو د ری	آ ء ج پی	ورے مورے
گا پا دھا نی	سا نی دھا پا	گا گا رے پا	گا رے سا ء
چا را نسے چھو	وے نکی لاج را	کنو مو رے	پیا ء رے ء

انترہ

پا پا گا ء	پا پا دھا پا	سا ء سا سا	سا رے سا سا
تم ری تو ء	بان دھا ء او	دھی ء رسے مو	رس پی ء دیکھے
پا گا پا پا	گا پا گا رے	پا گا ء رے	گا پا دھا پا
ارا ج سو	نو ء موری	آ آ ء ج	پی یارے مورے

راگ زیلف

یہ بھیروں ٹھاٹ کا سمپورن راگ ہے [illegible]

عام گویئے اس کو کم گاتے ہیں۔ یہ راگ مشر میل کا ہے اور کئی ٹھاٹ ملا کر بنا ہے اس کی اترانگ میں کانڑے اور بھیروں کا رنگ دکھلایا ہے امروہی میں رکھب ورجت ہے۔ دھیوت کا سُر وادی اور گندھار کا سُر سموادی ہے گانے کا وقت پہلا پہر دن ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ اس میں جونپوری اور کھٹ بھی شامل ہیں۔ اس لیے اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس راگ کو بھیروں سے الگ کرنے کے لیے رکھب کا سر بہت کمی کے ساتھ استعمال کرنا چاہیئے۔

سرمایۂ عشرت میں لکھا ہے کہ اس راگ کا ٹھاٹ کانگڑے کی طرح پر ہے یعنی کھرج پنچم، اچل رکھب مدھم اور دھیوت کومل رہیں گندھار اور نکھاد تیور رہیں اور ادپچار اس کا دھیوت سُر سے ہوتا ہے۔ اس لیے گانے کا وقت آخر شب ہو سکتا ہے۔

آروہی : سا رے گا ما پا دھا نی سا

امروہی : سا نی دھا پا دھا ما گا ما سا

ترانہ ٹھاٹ آساوری

تال جھپ تال

دد در توم نا در در توم نا دے رے نا تا

نا دارے دانی تا آ توم تا نا نے نے نا تا

تے دارے دانی

اے تنگ بہ سیدہ مجنوں خلق پسند کیستی

گفت ای ہمہ گامے کوئے لیلیٰ رفتہ بود

دا اور بنگال وغیرہ اقسام کے راگوں سے زیادہ مشابہ ہے گورا اور کن گلی
سے یہ راگ مرکب ہے۔

آروہی: گنکلی بھیروں ٹھاٹ: سا رے ما پا۔ دھا۔ سا۔
امروہی: سا دھا۔ پا ما۔ رے سا۔
بھیروں ٹھاٹ کی گوری آروہی: سا رے گا ما پا ما دھا نی سا۔
امروہی: سا نی دھا پا ما گا رے سا۔

فرغانہ تین تال بھیروں ٹھاٹ

آروہی: سا رے۔ سا ما۔ گا۔ پا۔ نی
امروہی: دھا۔ نی۔ سا۔ سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ ما۔ پا۔ گا۔ ما۔
وادی: رے۔ سا
سموادی: ما
گانے کا وقت دن کا ہے۔

بول

جے جے نظام الدین جگ تارن۔ تا پر نین پران کر وارن
خسرو کے پربھو۔ احمد کے پوت تن من اور دھن کروں نثار

ء ء ء ء	۳ ء ء ء	× ء ء ء	۲ ء ء ء
سا دھا دھا ء	پا پا پا ما	پا گا ما ما	رے ء سا سا
[illegible] ء جے ء	نی جا مو ء ی	ء نا جگ کا	تا ء را نا
دھا ما پا ما	رے ء ما گا	ما ما گا ما	رے ء سا سا

آ پا رے	تا ع نی پرا	ع نا کا رو	را ع ر
ما ما پا دھا	نی دھا تا تا تا	سانی دھا پا	پا کا پا گا
نوسس رو ع	کیسے ع ع پربھو	اح م و	کیسے لو ع ت
ما دھا دھا دھا	دھا پا پا گا	گا گا لو تا	بھے ع ساسا
تن من	اورسے دھاتے	کروں ع قی	تا ع راتے

راگ سُرپردہ

یہ بلاول ٹھاٹ کا سمپورن راگ اور بلاول کی ایک قسم ہے گانے کا وقت پہلا پہر دن ہے۔ بعض اس میں گندھار کو وادی مانتے ہیں اور بعض دھیوت کو۔ کیونکہ یہ راگ صبح کا مانا گیا ہے، اس میں تیور گندھار کا وادی ہونا صحیح نہیں ہے۔ کھرج اور پنچم وادی سموادی سُر ہیں۔

امروہی میں بلاول کی شکل کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ بیہاگ کی بھی شکل نظر آتی ہے، لیکن بیہاگ میں رکھب دربل یعنی کمزور ہے اور اس میں صاف ہے۔

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ راگ ایمن ایا اور گونڈ سے مرکب ہے

آروہی: سارے گا ما دھا پا دھا نی سا

امروہی: سا نی دھا پا نی دھا پا ما گا ما رے سا

خیال راگ سُرپردہ تال تیتالہ۔ بول یہ ہیں

"سلطان جی صاحب نجام الدین اولیا تو ہے
بل بل جاؤں۔ موہے پیر توسوں دیا۔ چرنن تیرے
لگے خسرو پایا میں نے اپنا ایسو پیر موہرے تم نجام الدین اولیا"

بلاول ٹھاٹ تین تال

۵ ء ء ء	۳ ء ء ء	× ء ء ء	۲ ء ء ء
استھائی			
سا	رے گا ء ما	نی دھا نی دھا	دھا پا دھا ما
س	رے ما ء نے	جی ء ء ء	ء ء ء ء
جا ء ء سا	رے گا ء گا	گا گا ما گا	تا رے سا سا
ء ء ء سا	ء ح ء پا	نی ء جا ء	مو ء دین او
رے سا ء گا	پانی دھا نی	سا ء سا	تا ء ہا تا پا
ل یا ء تو	ہے پا ء رے	پا ء پے ء	جا ء ء ء
گا ء سا	رے گا ء گا	ما گا ما رے	ء ء ء رے
ء لو ء ء ء	رے پی ء رے	تو ء ء ء	سون ء ء ء
رے سا ء سا	گا پانی دھا نی	سا ء ء ء	سا ء ء ء
[illegible]	[illegible]	تے ء ء ء	رے ء ء ء

راگ باغرو

اس میں ایک راگ فارسی شامل ہے جس کے نام کا پتہ نہیں چلا۔ اس میں گا وادی اور دھا سمبوادی ہے۔ گانا آسان ہے۔ اس راگ کا کوئی خاص وقت معین نہیں ہے۔ راگ سمپورن ہے:

آروہی: سا رے گا ما پا نی سا ہے

امروہی: سا نی دھا پا ما گا رے سا ہے

خیال راگ باغرو تین تال الفاظ یہ ہیں

دل من دل من دل من ایں آوارہ۔ دل من
پارہ پارہ دل من، ایں بے چارہ دل من
دل من دل من دل من ایں دیوانہ دل من عاشق
جاناں دل من، ایں پروانہ دل من
خسرو در عشق خراب، رحم چو ماہی بہ سراب سوئے
دل من بہ شتاب۔ ایں دیوانہ دل من

خیال راگ باغرو تین تال

۰ ی ی ی	۳ ی ی ی ی	× ـمـ ـمـ ـمـ	۲ ـمـ ـمـ ـمـ
[illegible] گا	گا گا گا گا	ا رے رے گا گا	رے رے رے گا
[illegible] ان	دل بے م ان	دل کا بے ا ع ع	ـ ـ ـ ان

ما پا م سا رے گا م سو دسے دی م	ما م دھی م م گا م گا گا سے م سں	پا س را م ما رے گا م پا سی تا م	م م م اب م م م گا ن م م اب
تانیں			
سا رے گا ما رے گا ما پا ما پا ما پا گا ما رے گا	دھا پا ما ما گا رے رے گا پا دھا ما پا گا ما رے گا	ما پا دھا نی سا نی دھا پا نی سا دھا نی پا دھا ما پا سا رے گا ما پا دھا نی سا	سا نی دھا پا ما گا رے سا گا ما رے گا سا رے نی سا نی دھا پا ما گا رے سا م

راگ صنم

یہ راگ کلیان اور بلاول کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ ایمن کلیان اور ایک فارسی راگ ہے جس کو نوروز ادا اور نورچکا بھی کہتے ہیں۔ یہ راگ آسان بھی ہے اور مزے دار بھی۔ سُدھ سارنگ اور شام کلیان سے مشابہ ہے۔ مگر آج کل جو سدھ سارنگ مروج ہے

اس میں کومل نی یعنی نکھاد اور تیور گندھار نہیں ہے کانی ٹھاٹھ کی نفا نی کوں
گندھار اور کومل نکھاد ہے پس ان دونوں سروں کا سدھ سارنگ میں نمبر ہونا اس راگ
کو قاعدہ میں نہیں رہنے دیتا ہے سدھ سارنگ میں گندھار نہیں ہے اور جس میں گندھار بدرجہ اتم
ہے سدھ سارنگ میں کومل نکھاد انوادی سر ہے جس راگ میں یہ ہوتے نام ہے شُدھ سارنگ کا
نیاس یعنی خاتمہ (نی) پر ہے اور اس میں (رے پر) ہے۔ شام کلیان اور سدھ
سارنگ میں دونوں مدھمیں ہیں اور اس میں بھی دونوں مدھمیں ہیں۔ اس طرح پر آروہی
میں تیور اور امروہی میں کومل ہے سدھ سارنگ اوڈو، اوڈو یعنی پانچ پانچ سر کا
راگ ہے اور صنم شاڈو سمپورن ہے یعنی چھ سات کا۔

آروہی: سا رے ما پا دھا نی سا۔

امروہی: سا نی دھا پا ما گا ما رے سا۔

گانے کا وقت رات کا ہے۔

خیال صنم ایک تال۔ الفاظ یہ ہیں:

"اندھیری گھٹا کالی حسن چراغ علاج دل ماکن خسرو گنج باغ"

خیال دیگر صنم تین تال الفاظ یہ ہیں:۔

نجام الدین پیرا اولیا نجام الدین شان انبیا خسرو
آن پڑے چرنن میں کرپا کرو بھر بکھیریا

استھائی

کت تا	دھاگے ترکٹ	دھی تا	دھا دھن	[illegible]	[illegible]
۵ ۶	۳ ۰ ۴	۱۴ ۱۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نی ء جا ءء	سو دی ان پی	دو او ھا لی	پا ءء
پا ء دھا نی	ا گا رے گا	گا ما ء سا	ء ءء
نی ء جا ء	مو دی ء ن شا	نے ام ء بی	پا ءءء
پاپا نی ء	تا ء سا تا	نی ء سا تا	دھا نی پا ء
غوں رو ء	آ ء ء نے پا	رو ء چ رع	ن ن من ء
ا ما پا دھا پا	ا گا رے گا	گو سا ما سا	رے ءءء
کی رے پا ءء	ک رو ء بھ	رے کی بی ری	پا ءءء

راگ زنگولہ

اس راگ کا تعلق دو راگوں سے ہے یعنی بھیروں اور آساوری اس
لیے اس میں دونوں دھیونیں لگائی جاتی ہیں۔ مگر شدھ دھیوت کمی کے ساتھ لگتی
ہے جس میں بلاول کی صورت نظر آتی ہے مگر اصلی رنگ بھیروں اس کا قیاس ہے
گانے کا وقت صبح کا ہے۔ اس میں دھا وادی ہے اور رے سمواوی

آروہی: سا رے گا ما پا دھا نی سا

امروہی: سا نی دھا پا ما گا رے سا۔

خیال ایک تال بھیروں ٹھاٹ

من شمع جان گدازم تو صبح دل کشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

ء تا	نے سے	ء نے	کے ء تے	رہی	تر ء
ء دھا	دھا نی	ء سا	دھا ء	ء پا	دھا پا
ء رہو	سے جا	ء رہو	تا ء یک	ء غسی	ء رو
پا کا	ء رے	گا سا	رے ما	تا دھا	غی ء ء
گا را	ء ت	اس قی	قی ء	گو ء ء	ن ر
تا دھا	ء پا	دھا پا	ما گا	رے ما	پا ء
د ء گا	ء یو	ء ء رے	جا ء	ء یو	ری

نوٹ

تان سین نے اس سنچائی میں امیر کو نائک تسلیم کیا ہے

باب

امیر کے اوصاف معذرت اہی کتاب ختم

بالعموم انسان اپنی عمر کو دن مہینے اور سال کے پیمانے سے ناپتا کہ آپ یہ
اعمال کی دوڑ ہی سے نہیں ناپتے۔ اگر اس کے اصول زندگی میں اعلیٰ مقاصد شامل نہیں ہوتے
اور عمر جیسی بیش بہا نعمت کو محض حصول دولت، ثروت، حکومت، نفس پرستی اور تن پروری
تک ہی محدود رکھتا ہے تو مقصد حیات گم ہو جاتا ہے۔

اسلام میں شریعت ہی ایک ایسا جامع اور مکمل قانون ہے جس کے ذریعہ
سے انسان انسانیت کے آخری مدارج حاصل کر لیتا ہے۔

اس قانون کا فرمان اٹل ہے اور وہ یہ کہ جب تک نیکی کی اشاعت اور
بدی کی روک تھام کا اصول انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد نہ قرار پائے گی
بنی آدم کی اجتماعی فضیلت کا قیام اور اخلاق و عادات کی اصلاح ناممکن ہے
کوئی انسانی جماعت اس قانون کے اثرات اور تعلیم کی ہمہ گیری سے علیحدگی کا
دعویٰ نہیں کر سکتی۔

شریعت کی تعلیم ہے کہ انسان نہ تو پرہیزگاری میں دنیا سے قطع تعلق
کرے اور نہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دے گویا ان دونوں کے درمیان

ایک ایسی معتدل راہ قائم کردی ہے کہ جس کے ذریعہ سے جسم کو اپنا حق دیا اور انسان کی مجموعی زندگی کو اس کا حق دیا، تاکہ انسان اگر ان اصولوں پہ عامل ہو جائے تو اس میں جو استعداد اور جواہر روحانیت کے پوشیدہ ہیں وہ عود بخود نمایاں ہو کر اپنے افعال اور کردار سے اشرف المخلوقات کہلائے جانے کا مستحق ہو جاتا ہے

اپنی خودی کو خدا کے سامنے جھکا دینے کا نام تصوّف ہے۔ ایک صوفی دنیا سے صرف اسی قدر واسطہ رکھ سکتا ہے جس کی دنیاوی لحاظ سے جائز اور اہم ضرورت ہے وجہ یہ ہے کہ وہ فانی کو باقی پر ترجیح دیتا ہے۔ شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ لازم ملزوم ہیں یعنی شریعت پہلے اور طریقت اس کے بعد۔ شریعت کی وہی شراب وحدت اور محبت ہے جو آتش عشق کی بھٹی میں کشید ہو کر دو آتشہ اور سہ آتشہ بن جاتی ہے اور انسان اس لذت چشی سے کچھ ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ صفات سے بے نیاز ہو کر خالص ذات کی طرف دوڑتا ہے اور اپنی خودی کو جو خدا سے دور رکھنے والی ہے اس کے حضور میں سرنگوں کر کے فنا کر دیتا ہے بس اسی کو عشق الٰہی یا تصوّف کہتے ہیں۔

لفظ صوفی صوف سے ماخوذ ہے کسی زمانے میں ازراہ انکساری اہل باطن صوف کا لباس پہنتے تھے، صوف کے لغوی معنی پشم گوسفند کے ہیں ایسے لوگوں کے افعال اور معارف کو تصوف کہتے ہیں کیونکہ وہ ماسوائے اللہ سے یکسو روگردانی کرتے تھے۔ صوفی کے لغوی معنی مخلص کے بھی ہیں صفہ فقرا مہاجرین کو بھی کہتے ہیں جو رسول اللہ کے زمانے میں ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، اور مسجد نبوی کا ایک چبوترہ جس کا نام صفہ تھا ان کی رہائش

کے واسطے مخصوص تھا اس لئے وہ بھی صفہ کہلاتے تھے۔

اصحاب صفہ حضور اکرم سے انواع اقسام کے علوم حاصل کرتے
حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کوہِ طور پر جبۂ صوف سر اوپر اور کملی بھی صوف
کی پہنے ہوئے تھے۔ عربی میں پرانے کپڑے کو بھی صوف کہتے ہیں۔

صوفی دراصل وہ ہے جس کا دل مصفیٰ، زبان سچی، چشم پُرنم، اور دل
خدا کی محبت سے لبریز ہو۔ کبر، عجب، نخوت، حسد، حُبِ دنیا، حبِ جاہ
وغیرہ بری خصلتوں کو ترک کردے۔ خود بیں نہ ہو، دوسروں کی طرف سے بدگمان
نہ ہو، بدبیں نہ ہو، بخیل نہ ہو، خلق اللہ کا فائدہ مدِ نظر رکھے، مصیبت پر صبر
اور دل پر جبر کرے اور اپنی ہستی کو ذات مطلق کی ہستی میں محو کردے اور جو صوف پہنے
اسے مرغن لقمہ نہ کھانا چاہیے اور نہ دنیاوی معاملات میں ضرورت سے زیادہ
منہمک رہنا چاہیے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو انبیاء اور اولیاء کے لباس
میں خیانت کرتا ہے دراصل ایک صوفی کے واسطے یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے
کہ کوئی چیز نہ اس کی ملکیت ہے اور نہ کسی دوسرے کی ملکیت ہے۔

دنیا میں ہر قسم کے عیوب، گناہ اور بدکرداریوں کے انسداد کا ایک ہی
ہے اور وہ ذریعہ خدا کی محبت ہے۔ حضرت مولانا رومؒ نے کیا خوب کہا

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیب جملہ علت ہائے ما

یعنی اے عشق تو میرا ایسا رفیق اور پرلطف مشغلہ ہے کہ
ایسی مرغوب بیماری ہے ایسا عمدہ جنون ہے جس کی مثال

یعنی تو بیماری نہیں ہے بلکہ ایسا حاذق طبیب ہے کہ جس کے باعث میرے تمام روحانی امراض دُور ہو گئے ہیں۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

اے عشق تو میرے روحانی امراض کی ایسی مجرب دوا ہے کہ غرور، تکبر، نفس پرستی، خود غرضی، خود نمائی، خود ستائی، جو بندہ کو خدا سے دور رکھنے والے امراض ہیں۔ ان سب سے نجات حاصل ہو گئی، گویا میرے واسطے تُو تو افلاطون اور جالینوس ہے۔

از محبت مردہ زندہ می شود

وز محبت شاہ بندہ می شود

محبت مردہ میں جان ڈال دیتی ہے یعنی روحانی قوتیں جو لذاتِ دنیوی سے مُردہ ہو چکی ہیں ان میں از سرِ نَو جان پڑ جاتی ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر شہنشاہ جب محبت کا شکار ہو جاتے ہیں وہ بھی ایک حقیر غلام بننا پسند کرتے ہیں کیونکہ اس راہ میں شہنشاہ اور فقیر سب برابر ہیں۔

عشق ہا گر از پئے رنگ بود

عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

عشق دو قسم کے ہیں مجازی اور حقیقی۔ اوّل الذکر محض خط و خال رنگ روپ اور جسمِ زیبا ہی تک محدود رہتا ہے اور یہ عارضی اور فانی چیز ہے یہ عاقبت خراب کرنے کا ذریعہ اور فعلِ ننگِ انسانیت ہے۔

عشقِ الٰہی وہ ہے جس نے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی

بنیاد قائم کی۔ اس کی حکومت ہر کوچہ و دیار میں ہے۔ اسی کا جلوہ گری ہر گل و گلزار میں ہے۔ اسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلوۂ طور دکھلایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا۔
سرمد علیہ الرحمت کی گردن کس نے کٹوائی؟ یہ سب حضرت عشق ہی کی تو بازی گری تھی ؎

سرمد در دیں عجب شکستے کردی　　ایمان بہ فدائے چشم مستے کردی
عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت　　رفتی و نثار بت پرستے کردی

ایوان زلیخا میں دامن یوسفؑ کس نے چاک کیا، صبر ایوبؑ اور گریۂ یعقوبؑ میں استغنائی کس نے پیدا کی، شب معراج میں دیدار جمال باری کا پردہ کس نے اٹھایا، یہ مجال سوائے حضرت عشق کے اور کس کی تھی۔ معرکۂ کربلا کے خاک و خون میں کس کی تڑپ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو کس نے گلزار بنایا اور حضرت منصور کو کس نے سولی پر چڑھایا۔ کیا بشر کی یہ مجال تھی کہ وہ انا الحق کہتے۔ حضرت ابراہیم ادھم کس کی بدولت اپنی سلطنت لٹا بیٹھے، یہ دہی عشق تو تھا جس کی امانت کا بار سوائے حضرت انسان کے آسمان بھی نہ اٹھا سکا۔

آسماں بار امانت نہ توانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حضرت امیر خسرو کے دل میں بھی وہی چنگاری تھی جو کہ ان کی طبیعت کو مدہوش کو نذر کرتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے ہر حضرت نظام الدین

تھا کہ "الٰہی بسوز سینۂ ایں ترک مرا بہ بخش" پیر نے آپ کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی نام سے پکارا کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر مجھ سے حشر کے روز پوچھا جائے گا کہ نظام الدین کیا لایا ہے تو میں خسرو کو پیش کر دوں گا۔"

محبت کی یہ فراوانی تھی کہ بڑھاپے میں بھی جب آپ اپنی ماں کو یاد کرتے تھے تو بچوں کی طرح بلک بلک کر رویا کرتے تھے۔ یہ دولت سعادت مندی خوش نصیبوں کو ہی حاصل ہوتی ہے آپ کو فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل تھا اور شیخ کو بلا دیکھے چین نہ پڑتا تھا خدا اور اس کے رسول برحق کی شان میں جو آپ کی غزلیں مناجات اور منقبت ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو عشق اللہ اور فنا فی الرسول کے بھی مدارج حاصل تھے۔

دنیا میں بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد ان کا کوئی نام بھی لینے والا باقی نہیں رہتا، لیکن خاصانِ خدا نہ صرف اپنی ذات بلکہ صفات سے بھی زندہ رہتے ہیں اور یہ زندگی لافانی ہوتی ہے کیونکہ زمانہ ان کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔

حضرت امیر کی وفات کو تقریباً سات صدیاں گزر گئیں لیکن آج بھی بلا تفریق مذہب و ملت ہر شخص آپ کو محبت اور عقیدت سے یاد کرتا ہے۔
آپ کی سوانحِ حیات کو جتنی مرتبہ پڑھیے، لطف میں اضافہ ہوتا ہے۔
حالات آپ کے ہمارے واسطے نہ صرف علمی اور ادبی لحاظ سے دلچسپ ہیں بلکہ سبق آموز بھی ہیں۔

سیرت کے فوائد کم و بیش ہر قوم نے قلم بند کیے ہیں لیکن حکمائے یورپ

نے بالخصوص اِس بارے میں زیادہ دلچسپی لی ہے۔ مسٹر کارلائل نے ا
موقع پر لکھا ہے کہ معزز طبقہ کے اسلاف کی تاریخ بہ نسبت دنیاوی تاریخ
کے زیادہ ضروری ہے کیونکہ زندگی کا کارآمد پہلو اس سے بخوبی اجاگر ہو جاتا ہے
ڈاکٹر اسمائلس مصنف "سلف ہیلپ" کا قول ہے کہ "مشہور آدمیوں
کی سوانح حیات بنی نوع انسان کی ترقی کا مفید ذریعہ ہے جس طرح پہاڑی پر
چاروں طرف روشنی پھیل جاتی ہے اسی طرح ان کی روحانی روشنی آئندہ نسلوں
کے واسطے اپنی نورانی چمک جاری رکھتی ہے۔"
ہمارے زمانے کا قومی شاعر حیاتِ سعدی کے دیباچہ میں لکھتا ہے
کہ "بایوگرافی بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنھوں نے اپنی اَن تھک
کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائیں جو آئندہ نسلوں
کے واسطے شمع ہدایت ہیں۔
ایسے بھی دنیا میں لوگ گذرے ہیں جنھوں نے بزرگوں کی زندگی
کے حالات کتابوں میں پڑھ کر اپنے آپ کو انسانیت کے اعلےٰ مدارج پر
پہنچا دیا۔ انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ "بایوگرافی چلا
کر کہتی ہے کہ نوجوانو! کمر ہمت باندھو اور تم بھی ایسے ہی کام کرو۔"
اگر حضرت امیر خسرو کو آپ دنیا کے عمل میں دیکھنا چاہیں تو پہلے ک
ایک شجاعت جری سپاہی کی طرح اپنی تلوار کے جوہر دکھلاتے نظر
آئیں گے۔ شاہی درباروں میں ان کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ حلقہ خا
میں بلحاظ ایک صوفی ممتاز درجہ حاصل تھا۔ شاعری میں [illegible]

میں آپ کا ثانی نہ تھا۔

فارسی اشعار کی بابت وہ خود لکھتے ہیں کہ "کم وبیش چار لاکھ اشعار کہے ہیں"۔ بعض مصنفوں کے بیانات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ تقریباً یہی حالت اردو، ہندی اشعار کی ہوگی۔

ایران کے نقادوں نے بھی جن کو اپنی زبان دانی پر ناز ہے، امیر کی قابلیت علمی اور شعر گوئی کا اعتراف کیا ہے۔ شیخ سعدی نے جو اس زمانے کے بادشاہ سخن تھے، حضرت امیر کو طوطی ہند کے نام سے یاد کیا ہے۔

انھوں نے سلطان غیاث الدین کو جب کہ وہ حاکم بنگالہ تھے اور امیر ان کے ساتھ تھے، یہ شعر لکھ کر بھیجا تھا

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند

زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

اس جامع کمالات شخصیت کو علاوہ اور علوم کے علم التواریخ کا بھی شوق تھا۔ انھوں نے اسلامی حکومت کے قیام سے لے کر اپنے زمانے تک کے واقعات اور حالات کو اپنے قصائد اور مثنویوں میں جس خوبی سے نظم کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے گویا ان کے زمانے کی مکمل تاریخ انھی کی کتابوں سے مرتب کی جا سکتی ہے۔ یہ خوبی اس زمانے کے کسی مصنف کی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ وہ مصنف نہ تھے بلکہ شاعر تھے اور مبالغہ شاعری کا جزو ہوتا ہے لیکن انھوں نے تاریخی واقعات میں قطعی مبالغہ سے کام نہیں لیا۔

ہندوستانی موسیقی پر بھی امیر کا بڑا احسان ہے۔ انھوں نے ضرورت

کو ملحوظ رکھ کر فنی اعتبار سے موسیقی میں کمال حاصل کیا اور نہ صرف نئے نئے
راگوں کی بنیاد قائم کی بلکہ طبلہ، ستار وغیرہ اقسام کے ساز بھی ایجاد کیے
ان کے بعد جس قدر بھی ماہرینِ موسیقی پیدا ہوئے انھوں نے نہ صرف اُن کا
اتباع کیا بلکہ تان سین نے اس کتاب کے آخری راگ زنگولہ کے گانے
میں امیر کا نائک ہونا تسلیم کیا ہے۔ جو اس زمانے کا اعلیٰ ترین موسیقی کا خطاب تھا
شاہ اودھ واجد علی شاہ نے بھی جو فنِ موسیقی کے ماہر تھے اپنی تصنیف
صوت المبارک میں نائک ہونا تسلیم کیا ہے۔ نائک گوپال جو اس زمانے کا موسیقی
دانی میں فرد اور یکتائے روزگار تھا امیر کی صحبت میں رہ کر راگوں کی تعلیم
حاصل کیا کرتا تھا۔ لیکن واضح رہے کہ سماع کی یہ صحبتیں بزرگوں کے تفریحی مشاغل
نہ تھے بلکہ حمد و ثنا اور رموز عشق الٰہی کے اشعار سے جو ان کو لطف و
سرور حاصل ہوتا تھا اس کو عبادت کا درجہ حاصل تھا۔

برخلاف اس کے اس آخرت فراموش دور میں جبکہ نفسانی خواہشات
نے راگ رنگ اور لہو و لعب کو انسانیت کے لیے ایک مستقل فتنہ بنا دیا ہے
مجھے اندیشہ ہے کہ اکابر اور اسلاف کے مشاغل موسیقی کے واقعات کو کہیں
حیلہ جو طبیعتیں حجت بنا کر اخلاقی حدود سے نہ گذر جائیں۔ دراصل تصوف کا
طغرائے امتیاز محض ساز آواز اور راگنیاں ہی نہیں، بلکہ تزکیۂ نفس ہے
جس کی جھلکیاں آپ کو اس کتاب میں جا بجا نظر آئی ہوں گی۔

حضرت امیر کو نجوم میں بھی دسترس حاصل تھی جو ان کے کلام سے
ثابت ہے بعض مختلف برجوں میں مختلف سیاروں اور تھا ... [illegible]

وقوع کا مبارک یا منحوس اثر، قرآن، تثلیث، تسدیس وغیرہ رمل کی رو سے بارہ خانوں کے خواص غرض کہ نجوم کے متعلق انھی تمام جزویات سے واقفیت حاصل تھی اور ان حالات کو ایک خاص شاعرانہ انداز میں بیان کرنا بھی انھی کا حصہ تھا۔ مثنوی نُہ سپہر میں انھوں نے سلطان محمد یعنی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے بیٹے کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے جو زائچہ اور فال نامہ لکھا ہے وہ ان کے کمال کی بہترین مثال ہے۔

اہلِ ہنود کے بعض قدیم علوم مثلاً سحر اور طلسمات وغیرہ کی طرف بھی انھوں نے توجہ کی تھی اور غالباً اور زیادہ توجہ کرتے اگر انھیں اپنے پیر کا خیال مانع نہ ہوتا کہ یہ شرعِ اسلامی کے خلاف ہے کیونکہ بیعت کے بعد ان کو اس قسم باتوں میں زیادہ احتیاط ہو گئی تھی اور مذہبی پابندی کا خیال ہر چیز پر غالب تھا۔ نہ سپہر میں اسی توجہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "من قدرے برسراین کار شدم"

زبان دانی کے لحاظ سے آپ کو ہندی، فارسی، عربی اور ترکی زبانوں پر عبور حاصل تھا غرض کہ آپ سپاہی، درویش، صوفی، عالم، شاعر، موسیقار، مورخ سب ہی کچھ تھے۔ طبعاً زندہ دل تھے اور قوم کی فلاح کا بھی جذبہ تھا۔

یہ تمام خوبیاں اگر یکجا کی جائیں تو آپ کی زندگی بلحاظ دینی اور دنیوی کس قدر کامیاب تھی اور ان کے بعد اس طویل عرصہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جو ان صفات کا حامل ہوتا۔ جو تصانیف آپ کی زمانے کے دست برد سے بچ گئی ہیں اور جن سے امیر کے حالات معلوم ہوئے ہیں وہ تو یقینی ہیں لیکن بعض ان کے ہم عصر مورخین اور مولفین نے بھی جو کچھ امیر کے بارے میں لکھا ہے وہ

بھی یقیناً صحیح ہے، اِن سب دشواریوں کا بھی ہمیں بخوبی احساس ہے کہ نہ اس زمانہ میں چھاپے خانے عام تھے نہ کاغذ کی فراوانی تھی، نہ اخبار اور رسالے تھے نہ زمانے کی تاریخ مرتب کرنے کا شوق تھا، ظاہر ہے کہ ان تمام دشواریوں کے پیشِ نظر روایات ہی واقعات کو زندہ رکھنے کا واحد ذریعہ تھیں اور سچ پوچھیے تو بعض اقوامِ عالم کی نسلی، مذہبی، معاشرتی اور تمدنی تاریخ کا بڑا حصہ روایات ہی تو ہیں جنھوں نے صدیاں گذر جانے کے بعد کتابی شکل اختیار کی ہے۔ مَیں نے حتی الوسع ان تمام حالات کو مدِنظر رکھ کر احتیاط سے کام لیا ہے اور جابجا بطورِ سند تواریخ اور کتابوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔

اس اندیشہ سے کتاب زیادہ ضخیم نہ ہو جائے اکثر غیر ضروری اور غیر دلچسپ واقعات کو نظر انداز کر دیا ہے، بہر حال امیر کے حالاتِ زندگی کی فراہمی اور موسیقی کی تحقیقات کے سلسلہ میں جو کچھ مجھ سے ہو سکا، وہ مَیں نے کیا، اب آگے اہلِ ذوق اور اہلِ نظر حضرات توجہ فرمائیں۔

میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہے۔ اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہے تو چشم پوشی فرمائیے اور سمجھ لیجیے کہ خطا اور نسیان انسان کی سرشت میں داخل ہے اور باوجود احتیاط کے بھی اس سے نجات نہیں ملتی۔

نقی محمد خان خورجوی

۱۲۱- لاجپت رائے جمشید کوارٹرز کراچی

مطبوعات

بہ سلسلہ آموزش حیات

نام کتاب	مختصر تفصیل	قیمت
فرض شناسی سمائلز [illegible] ترجمہ سید ناظر حسن زیدی	عملی نفسیات کا ایک آزمودہ عملی نسخہ سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۳۰۰ صفحات مجلد	۴/۰/۰
ہم اور نفسیات عابدی جعفر	حیات آمیز اور حیات آموز سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۴۲۵ صفحات مجلد	۲/۸/۰
فلسفۂ کامرانی حسین انور	عملی نفسیات پر اہم ترین کتاب سائز ۵½" × ۹" ضخامت ۵۲۰ صفحات	۸/۰/۰
دولت آپ کے قدموں میں حسین انور	عظیم اور کامیاب زندگی کی راہ نما سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۵۰۴ صفحات	۶/۰/۰
خود شناسی عابدی جعفر	آپ کیا ہیں —— ایک لمحہ فکریہ سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۳۱۲ صفحات	۳/۸/۰
ہر دل عزیزی عابدی جعفر	زندگی کو خوش گوار بنانے کا راز سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۲۰۲ صفحات	۴/۰/۰
نفسیاتی علاج رئیس احمد جعفری	علاج نفسی اور امراض خلقی کے موضوع پر علمی اور سائنٹفک تصنیف سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۴۳۰ صفحات مجلد	۳/۰/۰
راز قدرت پروفیسر قمر الزماں	مادہ پرستی کے سحر کو باطل کرنے والی ایمان افروز تصنیف سائز ۶¾" × ۸½" ضخامت ۲۴۰ صفحات	۳/۰/۰
[illegible] انشائیے [illegible]	فن زندگی پر ایک مجتہدانہ تصنیف سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۱۸۰ صفحات	۲/۰/۰

[illegible] اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور بندر روڈ کراچی

نام کتاب	مختصر تفصیل	
ننھے منوں کی نفسیات پروفیسر صوفی گلزار محمد ایم اے	شیر خوار بچوں کا نفسیاتی مطالعہ سائز ۵" × ۸ ۱/۲"، ضخامت ۱۶۴ صفحات	۳/۱۲/-
مطمئن رہیئے محمد شفیع الدین	آسودگی خاطر کی عملی نفسیات سائز ۵" × ۸ ۱/۲" ضخامت ۲۵۶ صفحات	۲/۸/-
سائنس اور جرم علی ناصر زیدی ایم اے ایل ایل بی (علیگ)	جرائم اور ان کے پس منظر میں ایک علمی تجزیہ سائز ۵" × ۸ ۱/۲" ضخامت ۲۳۱ صفحات	۳/۸/۰
فلسفہ تعلیم و تربیت رئیس احمد جعفری	موضوع کے اعتبار سے حیرت انگیز اور قابل رشک تصنیف سائز ۵" × ۸ ۱/۲" ضخامت ۲۶۸ صفحات	۲/۱۲/۰
تکلیف و اذیت رئیس احمد جعفری	روز آفرینش سے لیکر اب تک کے انسانی مسائل و زندگی کا تجزیہ سائز ۵" × ۸ ۱/۲"، ضخامت ۲۰۸ صفحات	۳/-/۰
تحلیل نفسی حزب اللہ ایم اے	حقیقت کو اصل روپ میں دیکھنے کے لیے سائز ضخامت ۷۱۲ صفحات اردو ٹائپ میں	۱۲/-/۰
تعلیمی نفسیات پروفیسر عبدالحی علوی	تعلیم کے علمی، فنی اور تکنیکی نکات سائز ۵" × ۸ ۱/۲"، صفحات ۶۰۷ صفحات اردو ٹائپ میں	۱۰/۰/-
دوست بنو دوست بناؤ نسیم امروہوی	کردار انسانی کے لیے تعمیری لائحہ عمل سائز ۵" × ۸ ۱/۲" ضخامت ۲۵۴ صفحات	[illegible]
نوجوانوں کی نفسی بیماریاں ڈاکٹر محمد بشارت علی قریشی	نوجوانوں کا نفسیاتی مطالعہ یہ کتاب قوم کی باطنیت وبیت اور ما فوق الطبعی گہرائی جو آسودہ خواب ہے کیلئے تازیانہ ہے سائز ۵" × ۸ ۱/۲"، ضخامت ۲۹۴ صفحات	[illegible]
ہمارے بچے (چار جلدوں میں) ظہور الحق قریشی	بچوں کی نفسیات پر مفید ترین کتاب سائز ۵" × ۸ ۱/۲" ضخامت جلد اول ۲۱۰ - ۲۱۲ جلد جلد سوم ۲۰۸، ۱۱ عمر، جلد چہارم ۲۴۰ ع	[illegible]/-/۰